جہلم کے پار

سکندرِ اعظم کی میدانی پنجاب میں یلغار کی حقیقت



واجدِ حُسین جوئیہ

حقوقِ اشاعت (Copyright Page)

مصنف : **واجد حسین** جوئیہ

کتاب : **جہلم کے پار**—سکندرِ اعظم کی میدانی پنجاب میں یلغار کی حقیقت

پہلا ایڈیشن: اپریل 2026ء

تاریخِ اشاعت: 27 اپریل 2026ء

دیباچہ

تاریخِ عالم میں چند شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے عہد کو متاثر کیا بلکہ بعد کی صدیوں میں بھی ایک خاص بیانیہ تشکیل دیا۔ سکندر اعظم انہی شخصیات میں سے ایک ہے، جسے یونانی و یورپی مؤرخین نے ایک عظیم، ناقابلِ شکست اور غیر معمولی عسکری ذہانت کے حامل فاتح کے طور پر پیش کیا۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہونے والا یہ یونانی بادشاہ کم عمری ہی میں ایک وسیع سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا اور اس کی فتوحات نے قدیم دنیا کے بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سکندر کی عسکری مہمات کا آغاز 334 قبل مسیح میں سلطنتِ فارس پر حملے سے ہوا، جسے اس نے نہایت قلیل مدت میں شکست دے کر اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ اس کے بعد اس کی پیش قدمی مشرق کی طرف جاری رہی، جس کے پسِ منظر میں یونانی تصورِ کائنات بھی کارفرما تھا۔ قدیم یونانیوں کے نزدیک ہندوستان دنیا کے آخری کنارے کے قریب واقع تھا، چنانچہ سکندر کی مہم کو محض فتوحات تک محدود نہیں بلکہ ایک فکری و جغرافیائی جستجو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

برصغیر میں داخلے کے ابتدائی مراحل میں سکندر کو زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کئی مقامی حکمرانوں نے یا تو اس کے ساتھ اتحاد کر لیا یا اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ تاہم یہ صورتحال اس وقت بدل گئی جب پنجاب کے ایک طاقتور حکمران، راجہ پورس، نے دریائے جہلم (قدیم ہائیڈیسپس) کے کنارے اس کی پیش قدمی کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ 326 قبل مسیح میں ہونے والی یہ جنگ، جسے جنگِ دریائے جہلم کہا جاتا ہے، سکندر کی ہندوستانی مہم کا اہم ترین مرحلہ بن گئی۔

روایتی یونانی اور جدید مؤرخین کے مطابق اس جنگ میں سکندر کو فتح حاصل ہوئی اور راجہ پورس کو شکست کے باوجود اس کی بادشاہت واپس دے دی گئی۔ تاہم یہی جنگ مقدونی فوج کے لیے نہایت خونریز ثابت ہوئی اور بعض مؤرخین کے مطابق اس میں سکندر کو اپنی دیگر تمام جنگوں کے مقابلے میں زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اسی وجہ سے اس جنگ کے نتائج اور نوعیت پر قدیم و جدید اہلِ علم کے درمیان طویل بحث جاری رہی ہے، اور متعدد محققین نے اس کے مختلف پہلوؤں پر اپنی آراء پیش کی ہیں۔

اس مقام پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ زیرِ نظر مطالعہ کا بنیادی مقصد محض جنگِ دریائے جہلم کے نتائج کو روایتی انداز میں قبول یا رد کرنا نہیں ہے۔ اس تحقیق میں سابقہ مؤرخین کی طرح میدانِ جنگ کی تفصیلات کو مرکزِ بحث بنانے کے بجائے ایک مختلف زاویہ اختیار کیا گیا ہے۔ وقتی طور پر یونانی مؤرخین کے اس مؤقف کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سکندر کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوئی، تاہم اس کتاب کا اصل ہدف یہ جانچنا ہے کہ اس مبینہ فتح کے بعد زمینی حقیقت کیا تھی ، اور آیا سکندرِ اعظم کی اس جنگ میں فتح کے بعد کے حالات واقعی اس کی کامیابی کی تائید بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

چنانچہ اس مطالعے کی توجہ اس سوال پر مرکوز ہے کہ جنگ کے بعد جب سکندر جہلم کے پار پنجاب کے اندرونی علاقوں کی طرف بڑھا تو اس کی پیش قدمی کی نوعیت کیا تھی؟ کیا وہ واقعی ایک مکمل فاتح کے طور پر پورے خطے پر قابض ہو گیا تھا، یا اس کی طاقت محدود، عارضی اور مقامی حالات کے تابع تھی؟ مزید یہ کہ کیا سکندر کا جہلم کے پار پنجاب کے اندرونی علاقوں کی طرف پیش قدمی کرنا کلاسیکی مؤرخین کے بیانات اور جغرافیائی شواہد کی روشنی میں درست اور قابلِ تصدیق ہے، یا یہ ایک مبالغہ آمیز بیانیہ ہے؟

اسی زاویۂ نظر کے تحت اس تحقیق میں بعد از جنگ صورتحال کو بنیاد بنا کر کلاسیکی ماخذات، جغرافیائی حقائق اور آثارِ قدیمہ کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، تاکہ فتح کے دعوے اور عملی حقیقت کے درمیان فرق کو واضح کیا جا سکے۔

یہی وہ نکتہ ہے جسے تاریخ کے عمومی بیانیے میں اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ جنگ کے نتائج پر بحث اپنی جگہ اہم ہے، مگر اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ اس کے بعد کے حالات کو سمجھا جائے۔ زیرِ نظر تحقیق اسی خلا کو پر کرنے کی ایک کوشش ہے۔

اس مقصد کے لیے جب قدیم مؤرخین—ایرین، کرٹس، ڈائیوڈورس، پلوٹارک اور جسٹن—کے بیانات کا تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے تو ان میں نمایاں تضادات سامنے آتے ہیں، خصوصاً اس مرحلے پر جب سکندر کی مہم دریائے جہلم کے مشرق کی طرف بڑھتی ہے۔ جغرافیائی حوالوں میں ابہام، راستوں کی غیر واضح تفصیل، اور واقعات کی متضاد تشریحات اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس مقام پر تاریخی بیانیہ کمزور اور غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ مزید برآں، جب ان بیانات کو زمینی جغرافیہ اور آثارِ قدیمہ کے شواہد کے ساتھ ملا کر پرکھا جاتا ہے تو یہ تضادات اور بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ دریائے جہلم کے مغرب میں جہاں سکندرِ اعظم کی مہمات کے واضح آثار ملتے ہیں، وہیں اس کے مشرق میں ایسے شواہد کا نمایاں فقدان پایا جاتا ہے۔ یہ تمام عوامل اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جہلم کے پار سکندر کی پیش قدمی بڑی حد تک افسانوی معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ کتاب اس کوشش کا نتیجہ ہے کہ سکندر اعظم کی ہندوستانی مہم کو ایک نئے زاویۂ نظر سے دیکھا جائے—جہاں توجہ صرف جنگ کی فتح یا شکست پر نہیں بلکہ اس کے بعد کی عملی حقیقت پر مرکوز ہو۔ اس

تحقیق کا مقصد ایک ایسا تنقیدی اور متوازن نقطۂ نظر پیش کرنا ہے جو قاری کو مروجہ بیانیے سے ہٹ کر سوچنے پر آمادہ کرے۔

اگر یہ کاوش قاری کو تاریخ کو سوالات کی روشنی میں سمجھنے اور نئے زاویوں سے غور کرنے کی ترغیب دے تو یہی اس کی اصل کامیابی ہو گی۔

آخر میں، میں اپنے اُن دوستوں کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس سفر میں میرا ساتھ دیا، میری حوصلہ افزائی کی اور اپنے قیمتی مشوروں سے اس کتاب کو بہتر بنانے میں مدد کی۔

واجد حسین جوئیہ

تحصیل و ضلع خوشاب

Contents

بابِ اوّل: سکندرِ اعظم — ایک تعارف

سکندرِ اعظم (Alexander the Great) تاریخِ عالم کی اُن شخصیات میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف اپنے عہد کی سیاسی اور عسکری صورتِ حال کو بدل دیا بلکہ بعد کی صدیوں میں بھی ایک مستقل اثر چھوڑا۔ اس کا اصل نام سکندر سوم مقدونی (Alexander III of Macedon) تھا، اور وہ 356 قبل مسیح میں مقدونیہ (Macedonia) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد فلپ دوم مقدونیہ کے ایک طاقتور بادشاہ تھے جنہوں نے یونانی ریاستوں کو متحد کر کے ایک مضبوط سلطنت کی بنیاد رکھی، جبکہ اس کی والدہ اولمپیاس ایک بااثر خاتون تھیں جن کا سکندر کی شخصیت پر گہرا اثر تھا۔

سکندر کی ابتدائی تعلیم و تربیت غیر معمولی نوعیت کی تھی۔ اسے عظیم فلسفی ارسطو (Aristotle) جیسے استاد کی شاگردی حاصل ہوئی، جس نے اس کی فکری، سائنسی اور فلسفیانہ تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سکندر محض ایک سپاہی یا فاتح نہیں تھا بلکہ علم، جغرافیہ اور نئی دنیاؤں کی دریافت میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔

336 قبل مسیح میں اپنے والد کی وفات کے بعد سکندر نے تخت سنبھالا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً بیس سال تھی، مگر اس نے نہایت قلیل مدت میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔ ابتدا میں اسے داخلی بغاوتوں اور یونانی ریاستوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس نے ان چیلنجز کو جلد ہی ختم کر کے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کے منصوبے کے مطابق سلطنتِ فارس کے خلاف ایک عظیم عسکری مہم کا آغاز کیا۔

334 قبل مسیح میں سکندر نے ایشیائے کوچک (Anatolia) میں داخل ہو کر فارسی سلطنت کے خلاف جنگوں کا آغاز کیا۔ گرینیکس، اسوس اور گوگامیلا جیسی اہم جنگوں میں اس نے فارسی بادشاہ دارا سوم کو شکست دی اور بالآخر ایک وسیع سلطنت پر قابض ہو گیا، جس میں مصر، شام، بین النہرین اور ایران شامل تھے۔ ان فتوحات کے بعد سکندر کو ایک ناقابلِ شکست فاتح کے طور پر دیکھا جانے لگا، اور یونانی مؤرخین نے اسے ایک مثالی سپہ سالار کے طور پر پیش کیا۔

تاہم سکندر کی مہمات کا دائرہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ فارسی سلطنت کو شکست دینے کے بعد اس نے مشرق کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ اس پیش قدمی کے پسِ منظر میں نہ صرف سیاسی و عسکری مقاصد تھے بلکہ یونانی تصورِ کائنات بھی کارفرما تھا، جس کے مطابق ہندوستان دنیا کے آخری کنارے کے قریب واقع تھا۔ چنانچہ سکندر نے اس سمت میں پیش قدمی کو اپنی مہم کا قدرتی تسلسل سمجھا۔

جب سکندر برصغیر کے شمال مغربی علاقوں میں داخل ہوا تو اسے ایک پیچیدہ سیاسی اور جغرافیائی ماحول کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں مختلف چھوٹی بڑی ریاستیں موجود تھیں، جن میں سے بعض نے اس کے ساتھ اتحاد کیا جبکہ دیگر نے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ ٹیکسلا کے حکمران امبھی نے سکندر کے ساتھ اتحاد کیا، جس سے اسے خطے میں قدم جمانے میں مدد ملی۔ تاہم جیسے جیسے سکندر آگے بڑھا، اسے زیادہ منظم اور سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جس کی نمایاں مثال راجہ پورس کے ساتھ جنگ ہے۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ سکندر کی شخصیت کو عموماً ایک مثالی اور عظیم فاتح کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، مگر بعض تاریخی شواہد اس کے برعکس تصویر بھی دکھاتے ہیں۔ اس کی مہمات میں سختی، بے رحمی اور سیاسی مصلحتیں بھی نمایاں تھیں۔ بعض مقامات پر اس نے شدید تشدد کا استعمال کیا، جبکہ دیگر مواقع پر اس نے

مقامی حکمرانوں کے ساتھ مفاہمت اور اتحاد کو ترجیح دی۔ اس متضاد طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی حکمتِ عملی حالات کے مطابق بدلتی رہتی تھی۔

برصغیر میں اس کی مہم، خصوصاً دریائے جہلم کے علاقے میں، اس کی عسکری زندگی کا ایک اہم اور فیصلہ کن مرحلہ ثابت ہوئی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اس کی پیش قدمی کے بارے میں مختلف سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا وہ واقعی ایک ناقابلِ شکست فاتح کے طور پر یہاں بھی کامیاب رہا، یا اسے ایسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے اس کی پیش رفت کو محدود کر دیا؟

یہ باب سکندرِ اعظم کی شخصیت، اس کی ابتدائی زندگی، عسکری مہمات اور فکری پس منظر کو سمجھنے کے لیے ایک تعارفی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس کے بعد کے ابواب میں اس کی ہندوستانی مہم، خصوصاً جنگِ جہلم اور اس کے بعد کی صورتحال کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیا جائے گا، تاکہ اس تاریخی بیانیے کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

حوالہ جات

Arrian. *Anabasis of Alexander*, Book VI.

Curtius Rufus. *Histories of Alexander.*

Diodorus Siculus. *Bibliotheca Historica.*

Plutarch. *Life of Alexander.*

Justin. *Epitome of Pompeius Trogus.*

باب دوم: راجہ پورس — تعارف، خاندان اور نسب

راجہ پورس (Porus)، جسے قدیم یونانی ماخذات میں پوروس کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، برصغیر کی قدیم تاریخ کی ایک اہم اور باوقار شخصیت تھا۔ وہ پنجاب کے اس خطے کا حکمران تھا جو دریائے جہلم اور دریائے چناب کے درمیان واقع تھا۔ سکندر اعظم کی ہندوستانی مہم کے دوران پورس ہی وہ حکمران تھا جس نے عملی طور پر اس کی پیش قدمی کو چیلنج کیا اور ایک منظم مزاحمت پیش کی، جس نے اس جنگ کو تاریخ کا ایک نمایاں باب بنا دیا۔

پورس کے بارے میں معلومات زیادہ تر یونانی مؤرخین ایرین، کرٹس، ڈائیوڈورس، پلوٹارک اور جسٹن کی تحریروں سے حاصل ہوتی ہیں، کیونکہ مقامی برصغیری ذرائع اس حوالے سے بہت محدود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شخصیت، خاندان اور نسب کے بارے میں کئی پہلو ابہام کا شکار ہیں۔ تاہم دستیاب شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پورس ایک مضبوط، خود مختار اور باوقار حکمران تھا، جس کی سیاسی اور عسکری حیثیت اس قدر مضبوط تھی کہ اس نے ایک عالمی فاتح کے مقابلے میں مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔

پورس کا تعلق غالباً ایک مقامی قبائلی یا علاقائی شاہی خاندان سے تھا، جسے بعض محققین پورو (Puru) قبیلے سے جوڑتے ہیں۔ یہ قبیلہ قدیم ہندوستانی متون میں بھی مذکور ہے اور اسے پنجاب کے قدیم باشندوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بعض آراء کے مطابق پورس کا تعلق اسی قدیم پورو یا پرو قبیلے سے تھا، جو ویدک دور سے اس خطے میں آباد تھا۔ اگرچہ اس نسبت کو قطعی طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا، مگر لسانی اور جغرافیائی مماثلت اس امکان کو تقویت دیتی ہے۔

یونانی مؤرخین نے پورس کو ایک قد آور، دلیر اور باوقار شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر نہایت مضبوط اور جنگی مہارت میں نمایاں تھا۔ جنگِ دریائے جہلم کے دوران اس کی قیادت، جنگی حکمتِ عملی اور ثابت قدمی کو اس کے دشمن بھی سراہنے پر مجبور ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی روایات میں بھی پورس کو ایک بہادر اور باوقار حکمران کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

پورس کے خاندان اور آباؤاجداد کے بارے میں مستند اور تفصیلی معلومات دستیاب نہیں ہیں، تاہم یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے مقامی شاہی سلسلے سے تعلق رکھتا تھا جو طویل عرصے سے اس خطے پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اس کے اقتدار کی نوعیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پاس نہ صرف فوجی طاقت موجود تھی بلکہ ایک مستحکم سیاسی ڈھانچہ بھی تھا، جس کی بنیاد پر وہ ایک بڑی بیرونی طاقت کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوا۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ پورس کا ہم عصر ایک اور اہم حکمران امبھی (Taxiles) تھا، جو ٹیکسلا کا بادشاہ تھا اور جس نے سکندر کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا۔ اس کے برعکس پورس نے مزاحمت کا راستہ اختیار کیا، جو اس کی خود مختاری اور سیاسی بصیرت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ دونوں حکمران پنجاب کی اس وقت کی پیچیدہ سیاسی صورتحال کی نمائندگی کرتے ہیں، جہاں مختلف ریاستیں اپنے مفادات کے مطابق فیصلے کر رہی تھیں۔

جنگِ دریائے جہلم میں پورس کی مزاحمت محض ایک عسکری تصادم نہیں تھی بلکہ یہ مقامی خود مختاری اور بیرونی تسلط کے درمیان ایک علامتی مقابلہ بھی تھا۔ اگرچہ روایتی بیانیے میں اس جنگ کا نتیجہ سکندر کے حق میں بیان کیا جاتا ہے، مگر پورس کی شخصیت اس جنگ کے مرکزی کردار کے طور پر ابھرتی ہے، جس نے ایک عالمی فاتح کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے مقابلہ کیا۔

یہ باب راجہ پورس کی شخصیت، اس کے ممکنہ نسب اور اس کے سیاسی و عسکری کردار کا ایک تعارفی خاکہ پیش کرتا ہے۔ اگلے ابواب میں اس کے اور سکندر کے درمیان ہونے والی جنگ اور اس کے بعد کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا، تاکہ اس تاریخی واقعے کو زیادہ گہرائی اور تنقیدی نظر سے سمجھا جاسکے۔

حوالہ جات

Buddha Prakash. *Poros (Porus).* Chandigarh: Panjab University, 1963.

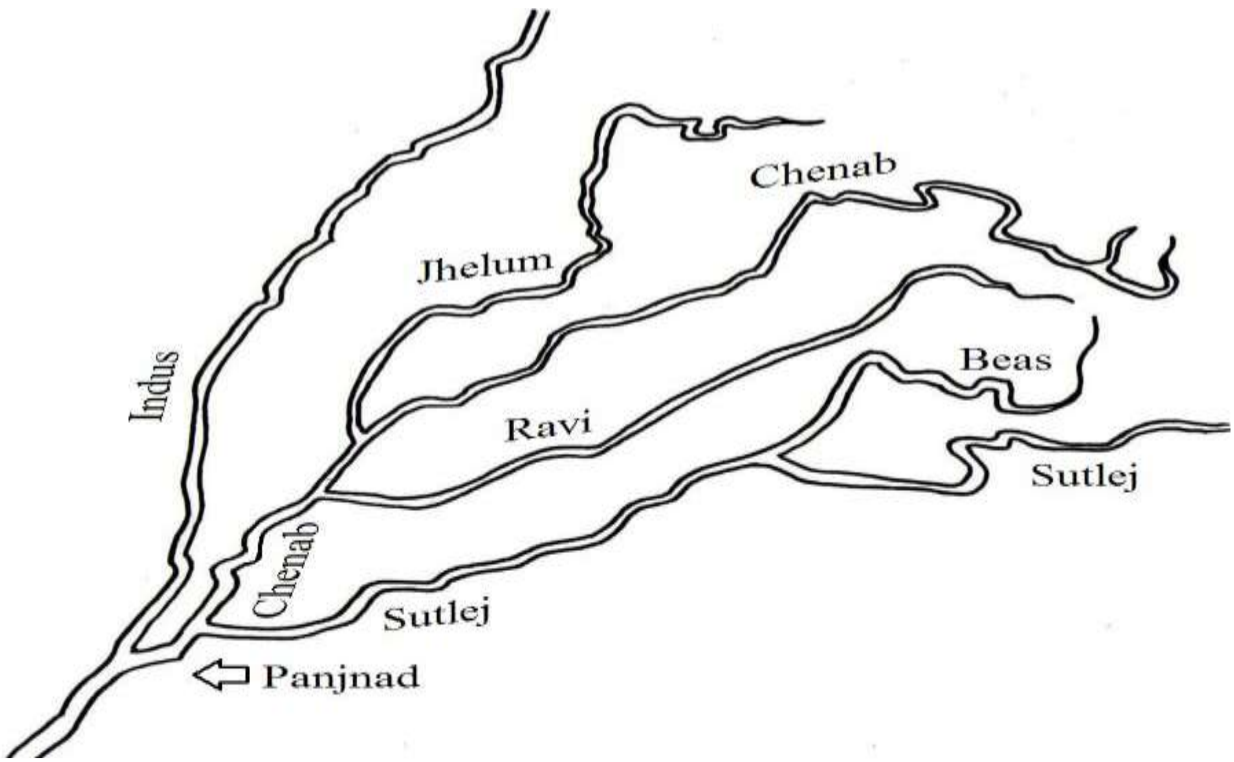
باب سوم: پنجاب کا جغرافیہ —— دریا، دوآبے اور سیاسی تقسیم (سکندر کے عہد میں)

سکندر اعظم کی ہندوستانی مہم کو درست طور پر سمجھنے کے لیے پنجاب کے جغرافیہ، خصوصاً اس کے دریاؤں اور دوآبوں (Doabs) کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ پنجاب دراصل ایک ایسا خطہ ہے جو مختلف بڑے دریاؤں کے درمیان واقع زمینوں پر مشتمل ہے، اور انہی دریاؤں کے درمیان کے علاقوں کو "دوآب" کہا جاتا ہے۔ ہر دوآب ایک الگ جغرافیائی، معاشی اور سیاسی اکائی کی حیثیت رکھتا تھا۔

چونکہ سکندر کی پیش قدمی مغرب سے مشرق کی طرف تھی، اس لیے دریاؤں کو بھی اسی ترتیب سے سمجھنا زیادہ مناسب ہے: دریائے سندھ(Indus) ، دریائے جہلم(Jhelum / Hydaspes) ، دریائے چناب(Chenab / Acesines) ، دریائے راوی (Ravi / Hydraotes) ، دریائے بیاس(Beas / Hyphasis) ، دریائے ستلج(Sutlej Hesidrus)

یہ تمام دریا بالآخر ایک مربوط نظام کی صورت میں ایک دوسرے میں شامل ہوتے ہوئے دریائے سندھ میں جا گرتے ہیں، جو اس پورے خطے کی مرکزی شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پنجاب کے دریاؤں کا نظام مرحلہ وار ترتیب رکھتا ہے: دریائے جہلم، چناب میں شامل ہوتا ہے: چناب میں راوی شامل ہوتا ہے: بیاس، ستلج میں شامل ہوتا ہے: ستلج آگے جا کر چناب میں شامل ہوتا ہے: آخر کار چناب، دریائے سندھ میں گرتا ہے



یہ مکمل نظام ایک بڑے دریاوی جال کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جو زراعت، آبادی اور نقل و حرکت پر گہرے اثرات ڈالتا ہے۔ دریاؤں کے درمیان واقع زمینوں کو دوآب کہا جاتا ہے، اور سکندر کے عہد میں دوآب سیاسی و جغرافیائی اکائیاں تھیں:

سندھ ساگر دوآب:(Sindh Sagar Doab)

دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان واقع وسیع علاقہ۔

اس دوآب کا حکمران **راجہ امبھی (ٹیکسلا)** تھا، جس نے سکندر کے ساتھ اتحاد کیا اور اسے خطے میں داخل ہونے کے لیے سیاسی و عسکری سہولت فراہم کی۔

چج دوآب:(Chaj Doab)

دریائے جہلم اور چناب کے درمیان

یہ علاقہ **راجہ پورس** کی حکومت کے زیرِاثر تھا، جس نے سکندر کی **پیش قدمی** کو چیلنج کیا۔

رچنادوآب:(Rechna Doab)

چناب اور راوی کے درمیان واقع علاقہ

باری دوآب:(Bari Doab)

راوی اور ستلج کے درمیان

بست دوآب:(Bist Doab)

ستلج اور بیاس کے درمیان

یہ جغرافیائی تقسیم واضح کرتی ہے کہ پنجاب ایک متحد سیاسی اکائی نہیں تھا بلکہ مختلف دریاؤں کے درمیان تقسیم شدہ علاقہ تھا، جہاں ہر دوآب ایک الگ سیاسی اور عسکری حیثیت رکھتا تھا۔ یہی تقسیم سکندر کی مہم کو سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے، کیونکہ اسے ہر دوآب میں مختلف سیاسی حالات اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ باب آئندہ ابواب کے لیے ایک جغرافیائی بنیاد فراہم کرتا ہے، جس کے ذریعے ہم سکندر کی جہلم کے پار پیش قدمی کی حقیقت کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

باب چہارم: اریئن کی روایت میں سکندر اعظم کی پنجاب مہم

جب Alexander the Great دریائے جہلم کے کنارے پہنچا تو اس کے مقابلے میں Porus اپنی مکمل فوج اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ دریا کے دوسری جانب موجود تھا۔ پورس نے نہایت حکمت سے دریا کے تمام ممکنہ گزرگاہوں پر اپنے دستے تعینات کر دیے تھے تاکہ مقدونی فوج کسی بھی مقام سے دریا عبور نہ کر سکے۔ سکندر نے صورتِ حال کا جائزہ لے کر براہِ راست حملے کے بجائے ایک چالاک حکمتِ عملی اختیار کی۔ اس نے اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے مسلسل حرکت میں رکھا تاکہ دشمن اس کے اصل منصوبے کو نہ سمجھ سکے۔ وہ کبھی دشمن کے علاقوں میں چھاپے مارتا اور کبھی دریا کے کنارے مختلف مقامات کا جائزہ لیتا، جبکہ بظاہر یہ تاثر دیتا رہا کہ وہ وہیں قیام کر کے پانی کے کم ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔

اسی دوران کشتیوں کی آمد و رفت، کھالوں سے بنے بیڑوں کی تیاری، اور فوجی نقل و حرکت نے پورس کو مسلسل الجھن میں مبتلا رکھا اور وہ کسی ایک مقام پر اپنی دفاعی قوت مرکوز نہ کر سکا۔ مزید یہ کہ موسمی حالات بھی دریا عبور کرنے کے لیے نہایت مشکل تھے، کیونکہ بارشوں اور برف پگھلنے سے دریا میں طغیانی تھی۔ سکندر نے بظاہر اعلان کیا کہ وہ اسی مقام پر قیام کرے گا، لیکن درحقیقت وہ خفیہ طور پر مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے رات کے وقت شور و غل، جنگی نعرے اور نقل و حرکت کا سلسلہ جاری رکھا، جس سے پورس رفتہ رفتہ ان حرکات کا عادی ہو گیا اور اس نے انہیں سنجیدگی سے لینا چھوڑ دیا۔

بالآخر سکندر نے ایک ایسے مقام کا انتخاب کیا جہاں دریا کے کنارے ایک جنگل زدہ ٹیلہ اور اس کے سامنے ایک جزیرہ موجود تھا۔ اس جگہ کی قدرتی آڑ نے اسے خفیہ طور پر دریا عبور کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس نے اپنی فوج کے ایک حصے کو پیچھے چھوڑ کر باقی منتخب دستوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں پیش قدمی کی۔ شدید بارش اور طوفان نے اس کی اس کارروائی کو مزید چھپا دیا۔ کشتیوں اور کھالوں سے بنے بیڑوں کی مدد سے فوج نے خاموشی سے دریا عبور کیا، یہاں تک کہ دشمن کے پہرے داروں کو اس وقت تک خبر نہ ہو سکی جب تک مقدونی فوج دوسرے کنارے کے قریب نہ پہنچ گئی۔

دریا عبور کرنے کے بعد سکندر نے فوراً اپنی فوج کو منظم کیا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ ابتدائی طور پر اس کا مقابلہ پورس کے بیٹے سے ہوا، جو ایک دستے کے ساتھ میدان میں آیا، لیکن جلد ہی شکست کھا گیا اور مارا گیا۔ اس کے بعد پورس خود پوری فوج کے ساتھ میدان میں آیا اور اس نے اپنی فوج کو ایک مضبوط ترتیب میں کھڑا کیا۔ اس نے ہاتھیوں کو اگلی صف میں رکھا تاکہ وہ دشمن کے گھوڑوں کو خوفزدہ کریں، جبکہ پیادہ فوج ان کے پیچھے اور گھڑ سوار اطراف میں موجود تھے۔ سکندر نے براہِ راست مرکز پر حملہ کرنے کے بجائے دشمن کے بائیں بازو کو نشانہ بنایا اور اپنی گھڑ سوار فوج کی برتری کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک طرف سے حملہ کیا جبکہ اس کے ایک کمانڈر نے دوسری جانب سے دشمن کو گھیر لیا، جس سے پنجابی فوج کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ جب پنجابی گھڑ سوار پسپا ہو کر ہاتھیوں کی طرف بڑھے تو میدانِ جنگ میں شدید افراتفری پیدا ہو گئی۔ ہاتھی، جو ابتدا میں طاقت کا ذریعہ تھے، زخمی ہو کر بے قابو ہو گئے اور اپنی ہی فوج کو نقصان پہنچانے لگے۔ مقدونی فوج نے کھلے میدان میں اپنی برتری کا فائدہ اٹھایا اور ہر طرف سے حملہ کر کے دشمن کو گھیر لیا۔ اس طرح جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور پنجابی فوج کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔

پورس، جس نے اس جنگ میں نہ صرف ایک سپہ سالار بلکہ ایک بہادر سپاہی کا کردار ادا کیا، جب اس نے دیکھا کہ اس کی گھڑ سوار فوج تباہ ہو چکی ہے، کچھ ہاتھی مارے جا چکے ہیں اور باقی اپنے مہاوتوں کے بغیر اداس اور منتشر پھر رہے ہیں، اور اس کی زیادہ تر پیادہ فوج بھی ختم ہو چکی ہے، تو اس نے دارا کی طرح میدان چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے ڈٹ کر مقابلہ جاری رکھا۔ وہ اس وقت تک لڑتا رہا جب تک اس کے سپاہی متحد ہو کر لڑتے رہے، مگر جب اس کے دائیں کندھے پر جو اس کے جسم کا واحد غیر محفوظ حصہ تھا زخم لگا، تو وہ مجبوراً پیچھے ہٹا۔ اس کے باقی جسم پر زرہ اس قدر مضبوط اور جسم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی کہ تیر اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے، جیسا کہ بعد میں دیکھنے والوں نے بھی مشاہدہ کیا۔ زخمی ہونے کے بعد اس نے اپنے ہاتھی کو موڑا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ سکندر نے جب دیکھا کہ وہ ایک عظیم اور بہادر انسان ہے تو اس نے اس کی جان بچانے کا ارادہ کیا اور سب سے پہلے Taxiles کو اس کے پاس بھیجا۔ ٹیکسا ئلز گھوڑے پر سوار ہو کر پورس کے قریب پہنچا اور اسے سمجھایا کہ اب فرار ممکن نہیں، لہٰذا اپنے ہاتھی کو روک کر سکندر کا پیغام سن لے۔ مگر پورس نے جب دیکھا کہ یہ اس کا پرانا دشمن ہے تو وہ پلٹا اور نیزہ مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اگر ٹیکسا ئلز فوراً گھوڑا دوڑا کر دور نہ ہٹ جاتا تو وہ یقیناً مارا جاتا۔

اس واقعے کے باوجود سکندر نے پورس کے خلاف کوئی ناراضی ظاہر نہ کی، بلکہ اس کے پاس بار بار قاصد بھیجتا رہا، اور آخر کار Meroes کو بھیجا، جو پورس کا پرانا دوست تھا۔ جب پورس نے میر وئیس کا پیغام سنا اور اس وقت وہ شدید پیاس سے نڈھال بھی تھا تو اس نے اپنے ہاتھی کو روک دیا اور نیچے اتر آیا۔ پانی پینے اور کچھ سنبھلنے کے بعد اس نے میر وئیس سے کہا کہ اسے فوراً سکندر کے پاس لے چلا جائے۔

جب Porus کو Alexander the Great کے سامنے لایا گیا تو سکندر کو خبر ملی کہ وہ آ رہا ہے، چنانچہ وہ اپنے چند خاص ساتھیوں کے ہمراہ آگے بڑھ کر اس کے استقبال کے لیے پہنچا۔ جب پورس اس کے سامنے

آیاتو سکندر نے اس کے مضبوط جسم، بلند قامت اور شاہانہ وقار کو دیکھ کر حیرت اور تحسین کا اظہار کیا۔ وہ نہ تو شکست خوردہ نظر آتا تھا اور نہ ہی اس کے حوصلے میں کوئی کمی تھی، بلکہ وہ ایک بہادر انسان کی طرح آگے بڑھا، جیسے ایک دلیر بادشاہ دوسرے دلیر بادشاہ سے مقابلے کے بعد ملتا ہے۔

سب سے پہلے سکندر نے گفتگو کا آغاز کیا اور پورس سے پوچھا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ روایت کے مطابق پورس نے جواب دیا:
"اے سکندر! میرے ساتھ وہی سلوک کرو جو ایک بادشاہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

یہ جواب سن کر سکندر بہت خوش ہوا اور اس نے کہا:
"تمہاری خواہش میرے لیے قابلِ قبول ہے، لیکن اپنی طرف سے بھی جو چاہو مانگو۔"

اس پر پورس نے جواب دیا کہ اس کی پہلی درخواست میں ہی سب کچھ شامل ہے۔

اس جواب نے سکندر کو مزید متاثر کیا، چنانچہ اس نے نہ صرف پورس کو اس کی سلطنت واپس دے دی بلکہ اس کی حدود کو مزید وسیع کر دیا۔

اس طرح سکندر نے ایک بہادر دشمن کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا، اور نتیجتاً پورس اس کا وفادار اور مخلص ساتھی بن گیا۔

یوں دریائے جہلم کے پار لڑی جانے والی اس جنگ کا اختتام ہوا، جس میں سکندر نے پورس اور اس کے ساتھی لشکروں کے خلاف کامیابی حاصل کی۔ اس جنگ میں ہندوستانیوں کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ تقریباً 20,000 پیادہ سپاہی اور 3,000 گھڑ سوار مارے گئے، جبکہ ان کے تمام رتھ بھی مکمل طور پر تباہ کر

دیے گئے۔ دوسری طرف Alexander the Great کی فوج کو نسبتاً کم نقصان اٹھانا پڑا۔ ابتدائی حملے میں شریک 6000 پیادہ فوج میں سے تقریباً 80 سپاہی مارے گئے، جبکہ گھڑ سوار تیر اندازوں میں سے 10، خاص دستہ (کمپینین کیولری) کے 20 سپاہی، اور دیگر گھڑ سواروں میں سے تقریباً 200 ہلاک ہوئے۔

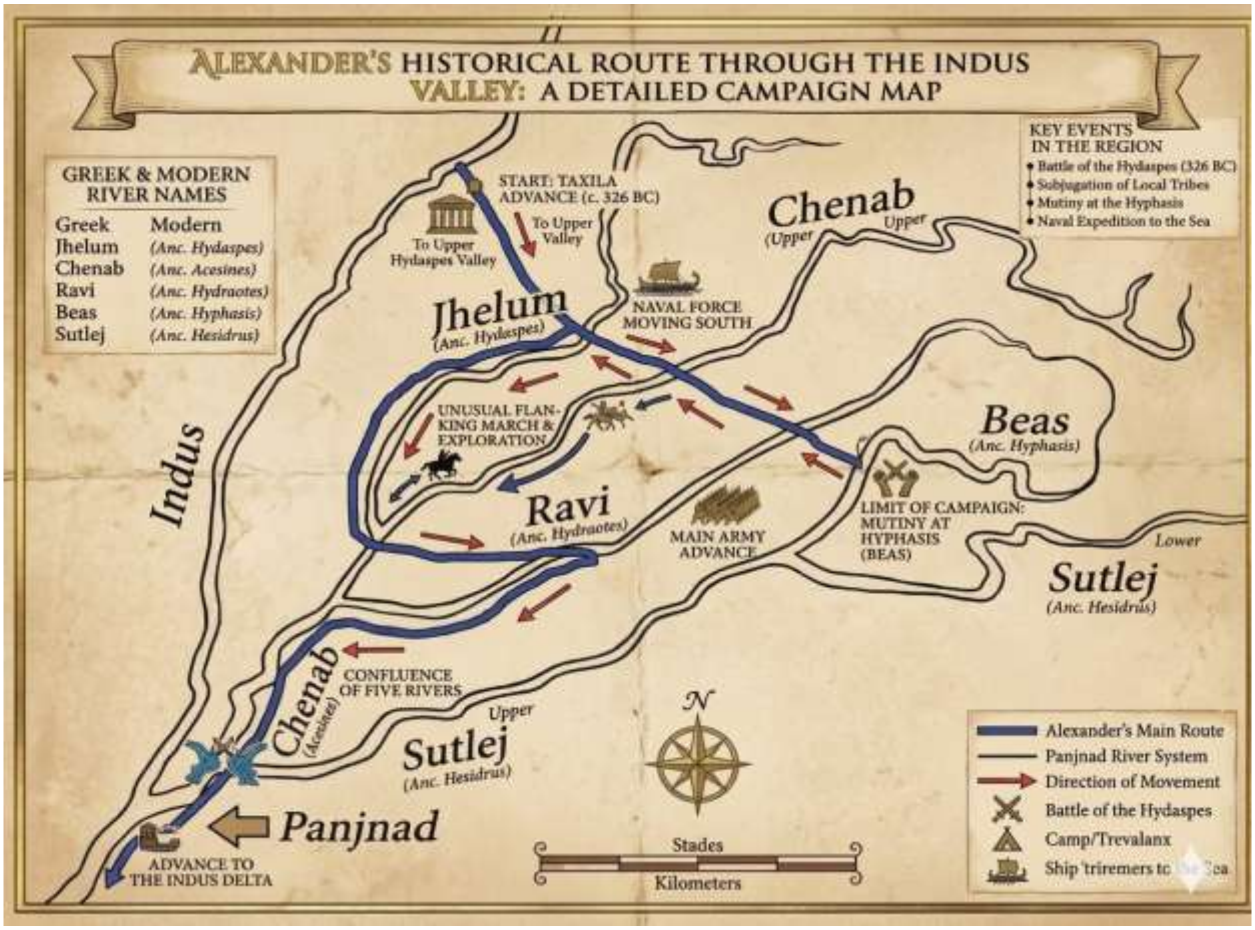
Alexander the Great نے اس جنگ کے بعد دو شہر آباد کیے۔ ایک میدانِ جنگ کے مقام پر اور دوسرا اس جگہ کے قریب جہاں سے اس نے دریائے جہلم (Hydaspes) عبور کرنا شروع کیا تھا۔ پہلے شہر کا نام اس نے نیکایا (Nikaia) رکھا، جو پنجابی افواج پر اپنی فتح کی یادگار تھا، جبکہ دوسرے شہر کا نام بوکیفیلا (Bucephala) رکھا، جو اس کے محبوب گھوڑے Bucephalus کی یاد میں تھا۔ یہ گھوڑا کسی جنگ میں زخمی ہو کر نہیں بلکہ مسلسل محنت، تھکن اور بڑھاپے کی وجہ سے وہیں وفات پا گیا۔ اس کی عمر تقریباً تیس سال تھی، اور وہ طویل عرصے تک سکندر کے ساتھ مختلف مہمات میں شریک رہا تھا۔

جنگِ جہلم میں کامیابی کے بعد Alexander the Great نے اپنے مقتول سپاہیوں کی شان کے مطابق باقاعدہ تدفین کی اور اپنی فتح پر خداؤں کے حضور نذرانے پیش کیے۔ اسی مقام پر، جہاں سے اس نے دریا عبور کیا تھا، اس نے کھیلوں اور گھڑ دوڑ کے مقابلے بھی منعقد کروائے، جو اس زمانے کی روایات کے مطابق فتح کا جشن تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے جرنیل Craterus کو کچھ فوج کے ساتھ وہیں چھوڑ دیا تاکہ وہ نئے قائم کیے جانے والے شہروں کو مضبوط اور محفوظ بنا سکے، جبکہ خود وہ آگے بڑھا اور ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کی جو Porus کی سلطنت سے متصل تھے۔ ان علاقوں کے لوگ زیادہ تر بغیر مزاحمت کے صلح پر آمادہ ہو گئے، اور سکندر نے اس طرح متعدد شہر اور بستیاں اپنے زیرِ نگیں کر لیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے سینتیس سے زائد شہر فتح کیے، جن میں سے کئی بڑے اور آباد تھے۔ بعد ازاں اس نے یہ تمام علاقہ

پورس کے حوالے کر دیااور اس کے اور ٹیکسیلا کے حکمران کے درمیان صلح بھی کرادی۔ پھر اس نے ٹیکسیلا کے حکمران کو اس کے دارالحکومت واپس بھیج دیا۔ اسی دوران مختلف علاقوں سے سفیر سکندر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ بعض نے اطاعت کا اعلان کیا اور تحائف پیش کیے، جن میں ہاتھی اور دولت شامل تھے۔ سکندر نے انہیں اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا اور اپنی طاقت کا واضح پیغام بھی دیا۔ مزید برآں، کچھ علاقوں میں بغاوت کی خبریں بھی آئیں، جنہیں کچلنے کے لیے اس نے اپنے جرنیلوں کو بھیجا تاکہ نظم و نسق برقرار رکھا جا سکے۔

اس کے بعد سکندر دریائے چناب کی طرف بڑھا۔ یہ ایک بڑا اور تیز بہاؤ رکھنے والا دریا تھا، جسے عبور کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے پانی کی شدت اور پتھریلے راستے کی وجہ سے کئی کشتیاں ٹکرا کر ٹوٹ گئیں اور بعض سپاہی ڈوب بھی گئے، تاہم اس نے دریا عبور کر لیا۔ دریا پار کرنے کے بعد اس نے اپنے ایک جرنیل کو پیچھے چھوڑا تاکہ باقی فوج اور رسد کو محفوظ طریقے سے عبور کروایا جا سکے۔ اس نے پورس کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنے بہترین سپاہیوں کو جمع کرے اور اس کے ساتھ شامل ہو۔ اسی دوران خبر ملی کہ ایک اور مقامی حکمران، جس کا نام بھی پورس تھا، علاقے سے فرار ہو گیا ہے۔ یہ شخص پہلے سکندر کے ساتھ تعلق قائم کرنا چاہتا تھا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ اصل پورس کو دوبارہ اقتدار دے دیا گیا ہے تو وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا۔

سکندر نے خود اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی ہلکی اور تیز رفتار فوج کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اس تعاقب کے دوران وہ ایک اور دریا راوی تک پہنچا، جسے اس نے نسبتاً آسانی سے عبور کر لیا۔ اس کے بعد پمپرما نامی ایک شہر، جو ادریستائی قوم کے قبضے میں تھا، سکندر کے سامنے صلح کی شرطوں پر ہتھیار ڈال کر اس کی اطاعت قبول کر گیا۔ سکندر اعظم کی پیش قدمی کا راستہ ذیل میں دی گئی شکل میں واضح کیا گیا ہے



دریائے راوی کو عبور کرنے کے بعد Alexander the Great کو اطلاع ملی کہ کٹھائی قبائل اور دیگر آزاد پنجابی اقوام اس کے خلاف متحد ہو رہی ہیں اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان قبائل نے نہ صرف اپنی فوجیں جمع کر لی تھیں بلکہ قریبی علاقوں کے دیگر خود مختار گروہوں کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا مرکزی دفاعی مقام ایک مضبوط قلعہ بند شہر تھا جسے سنگالا (Sangala) کہا جاتا تھا۔ یہ قبائل بہادری اور جنگی مہارت کے لیے مشہور تھے، اور اسی طرح دیگر قبائل جیسے اوکسی ڈرکائی اور ملوئی بھی جنگجو طبیعت رکھتے تھے۔ سکندر نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے فوری کارروائی کی اور تیزی

سے ان کی طرف بڑھا۔ راستے میں ایک شہر بغیر مزاحمت کے اس کے سامنے جھک گیا، جس کے بعد اس نے اپنی فوج کو مختصر آرام دیا اور پھر سنگالا کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔

جب وہ سنگالا پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دشمن فوج ایک پہاڑی پر صف آرا ہے اور اس نے اپنی حفاظت کے لیے گاڑیوں (waggons) کی تین تہوں پر مشتمل رکاوٹ قائم کر رکھی ہے۔ یہ ایک مضبوط دفاعی نظام تھا جس نے ان کے کیمپ کو محفوظ بنا دیا تھا۔ سکندر نے فوری طور پر اپنی فوج کو ترتیب دیا اور سب سے پہلے گھڑ سوار تیر اندازوں کو آگے بڑھایا تاکہ وہ فاصلے سے حملہ کر کے دشمن کو کمزور کریں اور انہیں باہر نکلنے سے روکیں۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مقدونی فوج نے پہلی دفاعی لائن کو توڑ دیا، لیکن دوسری اور تیسری لائن پر دشمن نے زیادہ مضبوط مزاحمت کی۔ تاہم آخر کار مقدونی فوج نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، اور دشمن شہر کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔

سکندر نے فوراً شہر کا محاصرہ کر لیا، لیکن شہر کی دیواریں اتنی وسیع تھیں کہ مکمل گھیراؤ ممکن نہ تھا۔ اس نے باقی راستوں اور ایک قریبی جھیل کے گرد اپنی فوج تعینات کر دی تاکہ دشمن فرار نہ ہو سکے۔ رات کے وقت واقعی دشمن نے فرار ہونے کی کوشش کی، لیکن سکندر کی پیشگی تیاری کے باعث وہ ناکام ہو گئے اور بڑی تعداد میں مارے گئے۔ اس کے بعد شہر کا محاصرہ مزید سخت کر دیا گیا۔ بالآخر مقدونی فوج نے دیواروں کو کمزور کر کے اور سیڑھیاں لگا کر شہر پر حملہ کر دیا۔ شدید لڑائی کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ اس لڑائی میں 17000 ہندوستانی مارے گئے اور بڑی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے۔

سکندر نے اپنے سپاہیوں کی روایات کے مطابق تدفین کروائی اور اس کے بعد دیگر باغی شہروں کو بھی پیغام بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کریں تو ان کے ساتھ نرمی برتی جائے گی۔ تاہم خوف کے باعث کئی لوگ اپنے

شہر چھوڑ کر بھاگ گئے، جن میں سے کچھ کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ آخر کار سکندر نے سنگالا شہر کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور اس کی زمین ان لوگوں کے حوالے کر دی جو اس کے تابع ہو چکے تھے۔

اس کے بعد اس نے اپنی مہم جاری رکھی اور دریائے بیاس (Hyphasis) کی طرف پیش قدمی کی، جہاں اس کا مقصد مزید علاقوں کو فتح کرنا تھا۔ اس کے نزدیک جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہوئی تھی جب تک کوئی دشمن باقی تھا۔ دریائے بیاس پر پہنچ کر Alexander the Great کو معلوم ہوا کہ اس کے آگے ایک زرخیز اور طاقتور علاقہ موجود ہے، جس سے وہ مزید آگے بڑھنے کا خواہش مند ہوا۔ تاہم مسلسل جنگوں اور تھکن کے باعث اس کی فوج نے پیش قدمی سے انکار کر دیا۔ سکندر نے اپنے سپاہیوں کو قائل کرنے کی کوشش کی، مگر اس کے جرنیل Coenus نے فوج کی طرف سے واپسی کا مشورہ دیا۔ بالآخر سکندر نے اپنی فوج کی حالت کو دیکھتے ہوئے واپسی کا فیصلہ کر لیا، اور یہی اس کی مشرقی مہم کا آخری مقام ثابت ہوا۔

فوج نے واپسی کے فیصلے پر خوشی کا اظہار کیا اور بعض سپاہیوں نے سکندر کے حق میں دعائیں بھی دیں۔ Alexander the Great نے اس موقع پر بارہ بلند مذبح (altars) تعمیر کروائے، جو اس کی فتوحات اور خداؤں کے شکرانے کی علامت تھے، اور وہاں قربانیاں اور کھیلوں کے مقابلے منعقد کیے۔ اس کے بعد اس نے دریائے بیاس کے مغربی علاقوں کی حکومت Porus کے حوالے کی اور واپس روانہ ہوا۔ وہ مختلف دریاؤں کو عبور کرتا ہوا اپنے سابقہ مقامات پر پہنچا، جہاں اس نے اپنی فوج کو ان شہروں کی مرمت میں مصروف کیا جو بارشوں سے متاثر ہو گئے تھے، خصوصاً نیکایا اور بوکیفیلا، اور ساتھ ہی علاقے کے دیگر انتظامی امور کو بھی منظم کیا۔ اسی دوران Coenus، جو Alexander the Great کے نہایت وفادار ساتھیوں میں سے تھا، بیمار ہو کر وفات پا گیا۔ سکندر نے اسے بڑے شان و شوکت کے ساتھ دفن کیا۔

اس کے بعد اس نے اپنے تمام ساتھیوں اور سفیروں کو جمع کیا اور ان کی موجودگی میں Porus کو ان تمام پنجاب کے علاقوں کا بادشاہ مقرر کیا جو پہلے ہی فتح کیے جا چکے تھے، یہ سات اقوام پر مشتمل علاقہ تھا جس میں دو ہزار سے زیادہ شہر شامل تھے۔

پھر اس نے اپنی فوج کی نئی تقسیم کی۔ خود اس نے کشتیوں میں اپنے ساتھ ہائپاسپسٹس (محافظ دستہ)، تیر انداز، اگریانین (خاص فوجی دستہ) اور شاہی گھڑ سوار رکھے۔ Craterus کو حکم دیا کہ وہ پیادہ اور گھڑ سوار فوج کے ایک حصے کے ساتھ دریائے Hydaspes River کے دائیں کنارے سے پیش قدمی کرے، جبکہ Hephaestion بائیں کنارے سے فوج کے سب سے بڑے اور بہترین حصے کے ساتھ آگے بڑھے، جس کے ساتھ تقریباً 200 ہاتھی بھی تھے۔ ان دونوں جرنیلوں کو ہدایت دی گئی کہ وہ پوری رفتار کے ساتھ اس مقام تک پہنچیں جہاں Sopeithes کا محل واقع تھا۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو جیسے ہی اشارہ ملا، بیڑا باقاعدہ ترتیب کے ساتھ روانہ ہو گیا، کیونکہ پہلے ہی ہدایت دی گئی تھی کہ سامان بردار کشتیاں، گھوڑوں کو لے جانے والی کشتیاں اور جنگی جہاز ایک دوسرے سے مخصوص فاصلے پر رہیں تاکہ ٹکراؤ سے بچا جا سکے۔ حتیٰ کہ تیز رفتار کشتیاں بھی دوسروں سے آگے نکلنے کی اجازت نہیں رکھتی تھیں۔ چپو چلانے کی آواز غیر معمولی حد تک بلند تھی، کیونکہ بے شمار کشتیاں ایک ساتھ چل رہی تھیں۔ اس شور میں افسران کے احکامات اور ملاحوں کی آوازیں شامل تھیں، جو ایک جنگی نعرے کی طرح گونج رہی تھیں جب وہ چپوؤں کی ضرب کے ساتھ تال میل رکھتے تھے۔

Alexander the Great اس طرح دریا میں سفر کرتا ہوا دریائے جہلم اور چناب کے سنگم پر پہنچنے کے بعد جنوب کی طرف سیدھا واپس جانے کے بجائے ایک مرتبہ پھر مشرق کی طرف پیش قدمی کی اور

دریائے راوی کے علاقے تک پہنچا۔ اس مرحلے پر اس کا سامنا مالوئی (Malloi) سے ہوا، جو اس وقت کے مضبوط اور جنگجو قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ مالوئی کے خلاف لڑائیاں نہایت سخت اور خطرناک ثابت ہوئیں۔ انہی معرکوں کے دوران ایک قلعہ بند شہر پر حملے میں سکندر خود شدید زخمی ہوا، جب وہ دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوا اور دشمن کے نرغے میں آ گیا۔ ان لڑائیوں کے بعد سکندر نے مزید مشرق کی طرف پیش قدمی جاری رکھنے کے بجائے اپنا رخ موڑ لیا اور دریائے راوی کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھتا ہوا بالآخر دریائے سندھ تک واپس آ گیا۔ یہی دریا اس کی واپسی کا مرکزی راستہ بنا، جہاں سے اس نے اپنی مہم کو عملی طور پر اختتام کی طرف لے جانا شروع کیا۔

حوالہ جات

Arrian. *Anabasis of Alexander*, Book VI.

باب پنجم: کوئنٹس کرٹیئس روفس کی روایت میں سکندر اعظم کی پنجاب مہم

سکندر نے یہ گمان کیا کہ اس کے نام کی ہیبت سے Porus بھی بغیر مزاحمت کے اطاعت قبول کر لے گا، چنانچہ اس نے کلیوکارس کو اس کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ خراج ادا کرے اور اپنی سرحد پر آ کر اس سے ملاقات کرے۔ پورس نے نہایت خودداری کے ساتھ جواب دیا کہ وہ ملاقات کے لیے تیار ہے، مگر یہ ملاقات ہتھیاروں کے ساتھ ہو گی، یعنی میدانِ جنگ میں۔ اس جواب کے بعد سکندر نے دریائے جہلم عبور کرنے کا فیصلہ کیا۔

پورس نے اپنی فوج کو نہایت حکمت سے ترتیب دیا تھا۔ اس نے صفِ اول میں پچاسی بڑے اور طاقتور ہاتھی کھڑے کیے، ان کے پیچھے تین سو رتھ اور تقریباً تیس ہزار پیادہ سپاہی موجود تھے، جن میں ماہر تیر انداز بھی شامل تھے۔ خود پورس ایک بلند و بالا ہاتھی پر سوار تھا، اس کا زرہ سونے اور چاندی سے مزین تھا اور اس کی شخصیت جلال و ہیبت کا پیکر معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بہادری اس کی جسمانی قوت کے برابر تھی اور وہ اپنی قوم کے لحاظ سے نہایت دانا حکمران تھا۔

مقدونی فوج کے لیے یہ منظر نہایت خوفناک تھا۔ نہ صرف دشمن کی فوج بلکہ دریا کی وسعت بھی ان کے حوصلوں کو متزلزل کر رہی تھی۔ دریا چوڑا، گہرا اور تیز بہاؤ کا حامل تھا، جس میں جگہ جگہ چھپی ہوئی چٹانیں موجود تھیں۔ دوسری طرف کا کنارہ سپاہیوں اور ہاتھیوں سے بھرا ہوا تھا، اور ہاتھیوں کی خوفناک آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

دریا کے درمیان موجود جزائر پر دونوں طرف کے سپاہی تیر کر پہنچتے اور ایک دوسرے سے جھڑپیں کرتے۔ ان ابتدائی معرکوں سے دونوں حکمران آئندہ جنگ کے نتائج کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے رہے۔ مقدونی لشکر کے دو نوجوان، سیمیکوس اور نیکانور، اپنی جرات اور بے خوفی کے باعث نمایاں تھے۔ وہ چند جانبازوں کے ساتھ ایک جزیرے پر جا پہنچے اور دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے بڑی تعداد میں ہندوستانیوں کو ہلاک کیا، مگر اپنی کامیابی کے نشے میں حد سے بڑھ گئے اور آخر کار دشمن کے نرغے میں آ کر یا تو مارے گئے یا دریا کی تند موجوں کی نذر ہو گئے۔ اس واقعے نے پورس کے حوصلے کو مزید بلند کر دیا۔

سکندر اس مشکل دریا کو عبور کرنے کے طریقے پر غور کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے ایک نہایت چالاک منصوبہ تیار کیا۔ اس نے ایک بڑے، درختوں سے ڈھکے جزیرے اور قریبی نشیب دار مقام کو اپنی فوج چھپانے کے لیے استعمال کیا۔ اس نے بطلیموس کو حکم دیا کہ وہ اپنی گھڑ سوار فوج کے ساتھ دشمن کے سامنے شور و غل کرے اور ایسا ظاہر کرے جیسے وہ اسی مقام سے دریا عبور کرنے والا ہے۔ کئی دنوں تک یہ فریب جاری رہا، اور پورس اپنی فوج اسی سمت مرکوز کیے رہا۔ مزید دھوکہ دینے کے لیے سکندر نے اپنے شاہی خیمے اور نشانات کو نمایاں رکھا، اور اپنے ہم شکل اٹالس کو شاہی لباس پہنا کر اس جگہ کھڑا کیا، تاکہ دشمن یہی سمجھے کہ سکندر وہیں موجود ہے۔

اسی دوران اچانک شدید طوفان اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ سپاہی گھبرا کر کشتیوں سے اتر آئے، مگر طوفان کے شور میں ان کی نقل و حرکت دشمن کی نظروں سے اوجھل رہی۔ کچھ ہی دیر بعد بارش رک گئی، مگر گھنے بادلوں نے ہر طرف اندھیرا پھیلا دیا۔ سکندر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور خاموشی سے دریا عبور کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی اپنی کشتی سب سے پہلے مخالف کنارے پر پہنچی۔ خوش قسمتی سے اس مقام پر دشمن موجود نہ تھا، کیونکہ پورس اب بھی دوسری سمت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ تقریباً تمام کشتیاں بحفاظت

پار ہو گئیں، صرف ایک کشتی چٹان سے ٹکرا کر رک گئی۔ کنارے پر پہنچتے ہی سکندر نے فوراً اپنی فوج کو ترتیب دیا اور پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس طرح اس نے اپنی غیر معمولی حکمت عملی، جرات اور موقع شناسی کے ذریعے ایک دشوار دریا کو عبور کر کے پورس کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی بنیاد رکھ دی۔

سکندر اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے پوری رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ اسی دوران Porus کو اطلاع ملی کہ دریا کے کنارے پر دشمن قابض ہو چکا ہے اور اب اس کی تقدیر کا فیصلہ کن لمحہ قریب آ پہنچا ہے۔

انسانی فطرت کے مطابق، جو ہمیشہ بہتر کی امید رکھتی ہے، ابتدا میں اس نے یہ سمجھا کہ یہ اس کا اتحادی ابیسارس ہے جو طے شدہ معاہدے کے مطابق اس کی مدد کے لیے آیا ہے۔ لیکن جب فضا صاف ہوئی اور اسے معلوم ہوا کہ یہ دشمن کی فوج ہے، تو اس نے فوراً 100 رتھ اور 4000 گھڑ سواروں کو ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ اس دستے کی قیادت اس نے اپنے بھائی ہیجیس کے سپرد کی۔

ان رتھوں میں چار گھوڑے جتے ہوتے تھے اور ہر ایک میں چھ افراد سوار ہوتے تھے: دو ڈھال بردار، دو تیر انداز اور دو رتھ بان جو قریب کی لڑائی میں خود بھی سپاہی کا کردار ادا کرتے تھے۔ مگر اس دن یہ رتھ تقریباً بے کار ثابت ہوئے، کیونکہ شدید بارش نے زمین کو کیچڑ میں بدل دیا تھا۔ گھوڑے پھسل رہے تھے اور بھاری رتھ دلدل میں دھنس جاتے تھے۔

اس کے برعکس Alexander the Great نے پوری شدت سے حملہ کیا، کیونکہ اس کی فوج ہلکے ہتھیاروں سے لیس تھی۔ سب سے پہلے سیتھیائی اور دہائی سپاہیوں نے حملہ کیا، پھر سکندر نے پرڈیکاس کو دشمن کے دائیں بازو پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جنگ ہر طرف شدت اختیار کر گئی۔ اسی دوران رتھ تیزی

سے میدان میں داخل ہوئے، مگر اس حملے سے دونوں جانب نقصان ہوا۔ مقدونی پیادہ فوج ابتدائی دھچکے سے کچلی گئی، جبکہ رتھ خود بھی ناہموار اور پھسلتی زمین کی وجہ سے الٹ گئے یا بے قابو ہو گئے۔ کچھ گھوڑے بدک کر رتھوں کو دلدل اور یہاں تک کہ دریا میں لے گئے۔

جب یہ خبر Porus تک پہنچی تو اس نے پوری قوت سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے ہاتھیوں کو صفوں میں پھیلا دیا اور ان کے پیچھے پیادہ فوج، تیر انداز اور نقارے بجانے والے کھڑے کیے۔ ہندوستانی نقارے جنگی موسیقی کے لیے استعمال ہوتے تھے اور ہاتھی ان آوازوں کے عادی تھے۔ پیادہ فوج کے آگے ہرکولیس کی ایک مورتی اٹھائی جاتی تھی، جو سپاہیوں کے لیے ایک روحانی علامت تھی۔ اس کو چھوڑ کر بھاگنا سخت جرم سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اس کی سزا موت مقرر تھی۔

ہاتھیوں اور خود پورس کا منظر مقدونی فوج پر ہیبت طاری کر گیا۔ ہاتھی دور سے قلعوں کی مانند دکھائی دیتے تھے اور پورس اپنی جسامت اور وقار میں سب سے نمایاں تھا۔ اس موقع پر سکندر نے کہا: اب مجھے ایسا خطرہ نظر آ رہا ہے جو میری جرات کے برابر ہے — یہ مقابلہ انسانوں کے ساتھ ساتھ وحشی جانوروں سے بھی ہے۔ اس نے اپنی فوج کو حکمت عملی کے ساتھ ترتیب دیا اور خود حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ جیسے ہی جنگ شدت اختیار کرتی گئی، مقدونی فیلنکس نے پنجابی فوج کے مرکز کو توڑ دیا، جبکہ دوسری جانب گھڑ سوار دستوں نے حملے جاری رکھے۔ پورس نے اپنے ہاتھیوں کو گھڑ سواروں کے خلاف جھونک دیا، مگر وہ بھاری اور سست تھے اور تیز رفتار گھوڑوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تیر انداز بھی مؤثر نہ رہے کیونکہ زمین کیچڑ سے بھری ہوئی تھی اور وہ اپنے بھاری تیر بروقت نہ چلا سکے۔ جنگ کے دوران انتشار بڑھ گیا اور فوجی نظم و ضبط ٹوٹنے لگا۔ مختلف دستے اپنی اپنی رائے سے لڑنے لگے۔ اس کے باوجود پورس نے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ اپنی فوج کو سنبھالا اور خود ہاتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ ہاتھیوں نے

میدان میں خوفناک تباہی مچائی۔ وہ اپنی سونڈوں سے سپاہیوں کو اٹھا کر اپنے مہاوتوں کے حوالے کرتے تھے، جبکہ کئی سپاہی ان کے پاؤں تلے کچلے گئے۔ جنگ کا نتیجہ غیر یقینی ہو گیا اور دونوں طرف سے کبھی حملہ اور کبھی پسپائی ہوتی رہی۔

آخر کار مقدونی فوج نے ہاتھیوں کے خلاف نئی حکمت عملی اپنائی۔ انہوں نے کلہاڑیوں اور خاص خمیدہ تلواروں سے ہاتھیوں کے پاؤں اور سونڈوں پر حملے کیے۔ شدید زخمی ہونے کے بعد ہاتھی بدحواس ہو کر اپنی ہی فوج کو روندنے لگے اور میدان سے بھاگ گئے۔ پورس اس وقت بھی ثابت قدم رہا، اگرچہ وہ متعدد زخموں سے چور تھا اور خون بہنے سے نڈھال ہو چکا تھا۔ وہ اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر مسلسل لڑتا رہا، مگر آخر کار اس کی طاقت جواب دے گئی۔ اس کا ہاتھی بھی زخمی ہو کر رک گیا۔

ادھر سکندر اس کا پیچھا کر رہا تھا، مگر اس کا اپنا گھوڑا بھی زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑا۔ اسی دوران ٹیکسا ئلز کے بھائی نے پورس کو مشورہ دیا کہ وہ ہتھیار ڈال دے، لیکن پورس، اگرچہ تھکن اور خون کے ضیاع سے نڈھال ہو چکا تھا، اس آواز کو پہچان کر سنبھلا اور بولا:
میں ٹیکسیلز کے اُس بھائی کو پہچانتا ہوں جس نے اپنی سلطنت اور تخت خود چھوڑ دیا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ میں بچا ہوا آخری نیزہ پوری قوت سے اس پر پھینکا، جو اس کی پشت کو چیرتا ہوا سینے تک جا پہنچا۔ Porus نے بہادری کی آخری کوشش کرتے ہوئے خود کو سنبھالا اور پہلے سے زیادہ تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا، لیکن اس کا ہاتھی، جو کئی زخم کھا چکا تھا، اب اس کی طرح بالکل تھک چکا تھا۔ چنانچہ وہ رک گیا اور اپنے باقی ماندہ پیادہ سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگا۔ اسی دوران Alexander the Great وہاں پہنچ گیا اور پورس کی ہٹ دھرمی دیکھتے ہوئے حکم دیا کہ جو مزاحمت کرے اسے معاف نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہر طرف سے تیر برسنے لگے، اور جب پورس مزید مقابلہ نہ کر سکا تو وہ اپنے ہاتھی سے پھسلنے

لگا۔ ہاتھی بان نے یہ سمجھا کہ بادشاہ اترنا چاہتا ہے، اس لیے اس نے ہاتھی کو بٹھا دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے ہاتھی بھی بیٹھ گئے، کیونکہ انہیں اسی طرح تربیت دی گئی تھی۔ اس طرح پورس اور اس کے سپاہی مکمل طور پر فاتح کے رحم و کرم پر آ گئے۔ سکندر نے سمجھا کہ وہ مر چکا ہے، اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس کا جسم اتار لیا جائے۔ جب سپاہی اس کا زرہ اور لباس اتارنے کے لیے آگے بڑھے تو ہاتھی نے اپنے مالک کے دفاع میں ان پر حملہ کیا اور اسے دوبارہ اپنی پیٹھ پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد اس ہاتھی پر ہر طرف سے نیزے اور تیر برسائے گئے، یہاں تک کہ وہ مار ڈالا گیا، اور پورس کو ایک گاڑی پر منتقل کر دیا گیا۔ لیکن جب سکندر نے دیکھا کہ وہ زندہ ہے اور آنکھیں کھول رہا ہے تو اس کا غصہ ختم ہو گیا اور اس پر ترس آ گیا۔ اس نے کہا:
تم نے میرے خلاف جنگ کیوں کی، جبکہ تم میرے کارناموں سے واقف تھے؟

پورس نے جواب دیا:
میں سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ بہادر کوئی نہیں، مگر اب میں نے تمہاری برتری دیکھ لی ہے۔

جب سکندر نے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے تو اس نے جواب دیا:
ویسا ہی جیسا ایک فاتح کو کرنا چاہیے — کیونکہ آج کے دن نے دکھا دیا ہے کہ خوش حالی کتنی جلد ختم ہو سکتی ہے۔

اس جواب نے سکندر کو بے حد متاثر کیا۔ اس نے نہ صرف اس کے زخموں کا علاج کروایا بلکہ اسے اپنا دوست بنا لیا اور اس کی سلطنت بھی واپس کر دی، بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا۔

Alexander the Great اس یادگار فتح پر نہایت مسرور تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ مشرق اپنی انتہائی حدود تک اس کی فتوحات کے لیے کھل چکا ہے۔ اس نے سورج کے نام قربانی پیش کی اور پھر تمام فوج کو

ایک اجتماع میں بلا کر ان کی خدمات کو سراہا، تاکہ وہ آئندہ جنگوں کے لیے مزید جوش و خروش کے ساتھ تیار ہو جائیں۔

اس نے سپاہیوں کو بتایا کہ حالیہ جنگ میں پنجاب کی مزاحمتی قوت مکمل طور پر ٹوٹ چکی ہے۔ اب ان کے سامنے جو کچھ باقی ہے وہ عظیم مالِ غنیمت ہے۔ مشرق کی وہ دولت، جس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، اب انہی علاقوں میں موجود ہے جہاں وہ قدم بڑھا رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ فارسیوں سے حاصل کیا گیا مال اب معمولی اور عام ہو چکا ہے، جبکہ آئندہ وہ موتیوں، قیمتی پتھروں، سونے اور ہاتھی دانت سے نہ صرف اپنے گھروں بلکہ پورے مقدونیہ اور یونان کو بھر دیں گے۔

سپاہی، جو دولت کے ساتھ ساتھ شہرت کے بھی خواہاں تھے اور جنہوں نے کبھی سکندر کے وعدوں کو جھوٹا نہیں پایا تھا، یہ سب سن کر فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سکندر نے انہیں امیدوں سے بھرپور رخصت کیا اور حکم دیا کہ جہاز تیار کیے جائیں تاکہ جب وہ پورے ایشیا کو فتح کر لے تو دنیا کی سرحد سمجھے جانے والے سمندر تک بھی پہنچ سکے۔ قریب کے پہاڑوں میں جہاز سازی کے لیے وافر مقدار میں لکڑی موجود تھی۔ جب سپاہی درخت کاٹ رہے تھے تو انہیں نہایت بڑے سائز کے سانپ دکھائی دیے۔ اسی علاقے میں انہوں نے گینڈا بھی دیکھا، جو ایک ایسا جانور تھا جو دیگر جگہوں پر بہت کم پایا جاتا تھا۔ یونانیوں نے اسے یہ نام دیا تھا کیونکہ وہ مقامی زبان سے ناواقف تھے۔

سکندر نے حال ہی میں عبور کیے گئے دریا کے دونوں کناروں پر دو شہر بھی آباد کیے۔ اس نے اپنے جرنیلوں کو ایک ایک تاج اور ایک ہزار طلائی سکے بطور انعام دیے، جبکہ دیگر افراد کو بھی ان کی خدمات اور حیثیت کے مطابق انعامات سے نوازا گیا۔ دریا عبور کرنے کے بعد Alexander the Great کچھ فاصلے تک

آگے بڑھا اور پھر پنجاب کے اندرونی علاقوں کی طرف پیش قدمی کی۔ یہاں کے جنگلات نہایت وسیع اور تقریباً لامتناہی تھے۔ ان میں ایسے گھنے اور بلند درخت موجود تھے جو غیر معمولی اونچائی تک پہنچتے تھے۔ ان کی شاخیں اس قدر بڑی ہوتی تھیں کہ عام درختوں کے تنے کے برابر دکھائی دیتیں، اور جب وہ زمین کی طرف جھک کر دوبارہ اوپر اٹھتیں تو یوں محسوس ہوتا جیسے ایک ہی درخت سے کئی درخت اگ آئے ہوں۔ یہ علاقہ آب و ہوا کے لحاظ سے نہایت خوشگوار تھا، کیونکہ درختوں کی گھنی چھاؤں گرمی کی شدت کو کم کر دیتی تھی، جبکہ بے شمار چشمے زمین کو وافر پانی فراہم کرتے تھے۔ تاہم یہاں بے شمار سانپ بھی پائے جاتے تھے جن کے جسم سنہری چمک رکھتے تھے۔ ان کا زہر انتہائی مہلک تھا اور ان کے کاٹے کا علاج فوری طور پر ممکن نہ ہوتا، یہاں تک کہ مقامی لوگوں نے اس کا تریاق دریافت کیا۔

اس کے بعد وہ صحراؤں سے گزرتے ہوئے دریائے راوی تک پہنچے، جس کے کنارے گھنے جنگلات سے ڈھکے ہوئے تھے اور وہاں ایسے درخت بھی موجود تھے جو کہیں اور نہیں پائے جاتے تھے۔ ان جنگلات میں جنگلی موروں کی بھی کثرت تھی۔ یہاں سے کوچ کر کے سکندر ایک قریبی شہر تک پہنچا، جسے اس نے چاروں طرف سے حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اس نے وہاں کے باشندوں سے یرغمال لیے اور ان پر خراج عائد کیا۔ اس کے بعد وہ ایک بڑے شہر کی طرف بڑھا، جو نہ صرف فصیل سے گھرا ہوا تھا بلکہ اس کے گرد دلدلی علاقہ بھی اس کے دفاع کو مضبوط بناتا تھا۔

اس شہر کے باشندے میدان میں نکل آئے اور اپنے ساتھ گاڑیاں بھی لائے، جنہیں انہوں نے آپس میں باندھ کر ایک مضبوط رکاوٹ بنا لیا تھا۔ ان کے پاس نیزے اور کلہاڑیاں تھیں، اور وہ لڑائی کے دوران ایک گاڑی سے دوسری پر پھرتی سے چھلانگ لگا کر اپنے ساتھیوں کی مدد کرتے تھے۔ یہ طریقہ جنگ مقدونی فوج کے لیے نیا تھا، جس سے وہ ابتدا میں خوفزدہ ہوئے، کیونکہ دشمن ان کی پہنچ سے باہر رہ کر انہیں زخمی کر رہا

تھا۔ لیکن جلد ہی انہوں نے اس غیر منظم قوت کو کمزور سمجھتے ہوئے چاروں طرف سے گھیر لیااور مزاحمت کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سکندر نے حکم دیا کہ گاڑیوں کو باندھنے والی رسیاں کاٹ دی جائیں تاکہ ہر گاڑی کو الگ الگ نشانہ بنایا جاسکے۔ دشمن کو آٹھ ہزار کے قریب جانی نقصان اٹھانا پڑا اور وہ شہر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے دن شہر کی دیواروں پر چڑھ کر اسے فتح کر لیا گیا۔ کچھ لوگ اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بچ نکلے، جبکہ بعض نے پانی عبور کر کے قریبی شہروں میں جا کر یہ خبر پھیلائی کہ ایک ناقابلِ شکست فوج، گویا دیوتاؤں کی فوج، اس علاقے میں آ پہنچی ہے۔

اس کے بعد سکندر نے Perdiccas کو ہلکی فوج کے ساتھ علاقے میں تباہی پھیلانے کے لیے بھیجا اور Eumenes کو ایک دستہ دے کر مقامی قبائل کو تابع کرنے کا حکم دیا۔ خود وہ باقی فوج کے ساتھ ایک مضبوط شہر کی طرف بڑھا جہاں دوسرے شہروں کے لوگ بھی پناہ لیے ہوئے تھے۔ شہر کے باشندوں نے بظاہر صلح کی پیشکش کی مگر خفیہ طور پر جنگ کی تیاری جاری رکھی۔ ان کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہو گیا تھا—کچھ لوگ آخری حد تک لڑنے کے حق میں تھے جبکہ کچھ نے مزاحمت کو بے فائدہ سمجھا۔ بالآخر جو لوگ صلح چاہتے تھے انہوں نے دروازے کھول دیے اور دشمن کو اندر آنے دیا۔ اگرچہ سکندر چاہتا تو مخالفین کو سزا دے سکتا تھا، مگر اس نے سب کو معاف کر دیا، یرغمال لے کر آگے بڑھ گیا۔ اسی طرح اس نے دیگر شہروں کو بھی اپنے زیرِ اثر لے لیا۔

اس کے بعد وہ بادشاہ Sopithes کی ریاست میں داخل ہوا، جس کی قوم کو عقل و دانش اور بہتر قوانین کے باعث ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ یہاں بچوں کی پرورش والدین کی مرضی سے نہیں بلکہ حکومتی اہلکاروں کی نگرانی میں ہوتی تھی، اور اگر کسی بچے میں جسمانی نقص پایا جاتا تو اسے زندہ نہیں رکھا جاتا۔ شادیوں میں بھی نسب کے بجائے حسن کو ترجیح دی جاتی تھی۔ جب سکندر اس ریاست کے دارالحکومت کے قریب پہنچا تو

شہر کے دروازے بند تھے، مگر فصیلوں پر کوئی سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مقدونیوں کو شبہ ہوا کہ شاید شہر خالی کر دیا گیا ہے یا کوئی چال چلنے کی تیاری ہے۔ اچانک دروازے کھلے اور بادشاہ سوپیتھیس اپنے دو جوان بیٹوں کے ساتھ باہر آیا۔ وہ اپنی وجاہت اور بلند قامت کے باعث سب سے نمایاں تھا۔ اس کا شاہی لباس سونے اور ارغوانی رنگ سے مزین تھا، اس کے جوتے سونے کے اور قیمتی پتھروں سے جڑے ہوئے تھے، جبکہ اس کے زیورات بھی نہایت قیمتی تھے۔ اس نے اپنا سونے کا عصا سکندر کے حوالے کرتے ہوئے اپنی اطاعت کا اظہار کیا اور اپنی سلطنت اس کے سپرد کر دی۔

اس ملک میں شکاری کتے بھی بہت مشہور تھے، جو خاص طور پر شیر کے شکار کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ سوپیتھیس نے ان کی بہادری دکھانے کے لیے ایک بڑے شیر کو چار کتوں کے سامنے چھوڑا۔ ان کتوں نے شیر پر حملہ کر دیا اور ایک کتے کو شدید زخمی ہونے کے باوجود اس نے اپنی گرفت نہ چھوڑی، حتیٰ کہ مرنے تک وہ شیر سے چمٹا رہا۔ اس واقعے سے ان جانوروں کی غیر معمولی جرات کا اندازہ ہوتا ہے۔

سکندر نے سوپیتھیس کو اس کی سلطنت پر برقرار رکھا اور پھر دریائے بیاس (Hyphasis) کی طرف بڑھا، جہاں اس کی ملاقات Hephaestion سے ہوئی، جو ایک دوسرے علاقے کو فتح کر کے واپس آیا تھا۔ اس کے بعد قریبی علاقے کے بادشاہ فیجیوس نے بھی تحائف کے ساتھ حاضر ہو کر اطاعت کا اعلان کیا اور ہر حکم ماننے کی یقین دہانی کرائی۔ بادشاہ نے فیجیوس کے ساتھ دو دن قیام کیا اور تیسرے دن دریا عبور کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ دریا نہایت دشوار تھا، کیونکہ نہ صرف اس کی چوڑائی بہت زیادہ تھی بلکہ اس کے بہاؤ میں جگہ جگہ چٹانیں بھی حائل تھیں۔ چنانچہ اس نے فیجیوس سے مزید معلومات طلب کیں تو اسے بتایا گیا کہ دریا کے پار وسیع صحرا پھیلے ہوئے ہیں جنہیں عبور کرنے میں گیارہ دن لگتے ہیں۔ اس کے بعد دریائے گنگا آتا ہے، جو پورے ہندوستان کا سب سے بڑا دریا ہے، اور اس کے پار گنگاریدائی اور پراسی نامی دو طاقتور اقوام

آباد ہیں، جن کا بادشاہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بیس ہزار گھڑ سوار، دو لاکھ پیادہ فوج، دو ہزار رتھ اور تقریباً تین ہزار جنگی ہاتھی میدان میں رکھتا ہے۔

Alexander the Great نے مزید آگے بڑھنے کے لیے اپنی فوج کو پُرجوش خطاب کیا تو اس کے باوجود فوج نے پیش قدمی سے انکار کر دیا۔ اس کے جواب میں Coenus نے فوج کی طرف سے خطاب کرتے ہوئے ان کی تھکن اور مشکلات بیان کیں۔ آخرکار سکندر کو ان کی بات ماننی پڑی اور اس نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ واپسی کے سفر پر روانہ ہوا اور دریائے چناب کے قریب پڑاؤ کیا، جہاں Coenus بیمار ہو کر وفات پا گیا۔ سکندر کو اس کی موت کا صدمہ ہوا، اگرچہ اس نے یہ بھی کہا کہ اس نے چند دنوں کے لیے طویل تقریر کی تھی۔

اب وہ ایک ہزار جہازوں کے ساتھ سمندر کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے Porus اور Taxiles کے درمیان صلح کروا دی، جو پہلے آپس میں اختلافات اور پرانی دشمنیوں کو ہوا دے رہے تھے، اور شادی کے رشتے کے ذریعے ان کے تعلقات کو مزید مضبوط کیا۔ چونکہ انھوں نے بیڑے کی تیاری میں بھرپور مدد کی تھی، اس لیے اس نے دونوں کو ان کی بادشاہت پر برقرار رکھا۔ اس نے دو شہر بھی تعمیر کیے: ایک کا نام نیکایا (Nicaea) رکھا اور دوسرے کا بوسیفالا (Bucephala)، جسے اس نے اپنے محبوب گھوڑے Bucephalus کی یاد میں قائم کیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ہاتھی اور سامان خشکی کے راستے اس کے پیچھے آئیں، جبکہ وہ خود دریا کے راستے روانہ ہوا۔ وہ روزانہ تقریباً 40 اسٹیڈیا کا فاصلہ طے کرتا تھا تاکہ وقتاً فوقتاً فوج کو مناسب مقامات پر اتارا جا سکے۔

Alexander the Great آخر کاراس علاقے میں پہنچا جہاں دریائے جہلم دریائے چناب میں جا کر ملتا ہے، اور وہاں سے یہ دریا Sibi کے علاقوں کی طرف بہتا ہے۔ یہاں لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے آباؤاجداد Herakles کی فوج سے تعلق رکھتے تھے، جو بیماری کی وجہ سے یہیں رہ گئے تھے اور بعد میں یہی ان کی مستقل رہائش بن گئی۔ وہ جنگلی جانوروں کی کھالیں پہنتے اور لاٹھیاں بطور ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یونانی رسم ورواج ختم ہو گئے تھے، مگران کے آثار ابھی باقی تھے۔

سکندر نے یہاں اتر کر ان کے علاقے میں تقریباً 250 اسٹیڈیا تک پیش قدمی کی، اسے تباہ کیا اور چاروں طرف سے حملہ کر کے ان کا دارالحکومت فتح کر لیا۔ اس قوم کے 40,000 پیادہ سپاہی دریا کے کنارے اس کے مقابلے کے لیے موجود تھے، مگر اس نے دریا عبور کر کے انہیں شکست دی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ جو لوگ لڑنے کے قابل تھے انہیں قتل کر دیا گیا اور باقی کو غلام بنا لیا گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور شہر کا محاصرہ کیا، مگر وہاں کے لوگوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر بھی اس نے محاصرہ جاری رکھا، یہاں تک کہ مایوس ہو کر شہر والوں نے اپنے گھروں کو آگ لگا دی اور اپنے اہلِ خانہ سمیت خود کو آگ میں جھونک دیا۔ اس طرح جنگ نے ایک عجیب شکل اختیار کر لی—شہر والے اپنی بستی جلا رہے تھے اور دشمن اسے بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ شہر کا قلعہ محفوظ رہا، اس لیے سکندر نے وہاں ایک فوجی دستہ چھوڑ دیا۔ خود وہ کشتیوں کے ذریعے قلعے کے گرد گھومتا رہا، کیونکہ تین بڑے دریا (سوائے Ganges River کے) اس کے گرد بہتے تھے—شمال میں Indus River اور جنوب میں ہائیڈاسپس اور اکسی نیس کا ملاپ۔ ان دریاؤں کے ملاپ سے پانی سمندر جیسی لہریں پیدا کرتا تھا اور راستہ تنگ ہو جاتا تھا، کیونکہ مٹی کے ٹیلے مسلسل بدلتے رہتے تھے۔ جب لہریں کشتیوں سے ٹکراتیں تو

ملاحوں کو بادبان سمیٹنے پڑتے، مگر گھبراہٹ اور پانی کے زور کی وجہ سے وہ بروقت ایسانہ کرسکے اور دو بڑی کشتیاں ڈوب گئیں۔ چھوٹی کشتیاں اگرچہ بے قابو تھیں مگر کنارے لگ گئیں۔

جس کشتی میں سکندر خود سوار تھا وہ شدید بھنور میں پھنس گئی اور بے قابو ہو کر گھومنے لگی۔اس نے دریا میں کودنے کی تیاری کرلی تھی جبکہ اس کے ساتھی تیراکی کرتے ہوئے قریب موجود تھے، مگر آخرکار ملاحوں کی بھرپور کوشش سے کشتی کو بچا لیا گیا، اگرچہ وہ قریب کے کم گہرے پانی میں جا کر پھنس گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے دریا کے ساتھ جنگ لڑی جارہی ہو۔ سکندر نے وہاں ہر دریا کے نام پر قربان گاہیں بنائیں اور قربانیاں دے کر آگے بڑھا، تقریباً 30 اسٹیڈیا کا فاصلہ طے کیا۔

پھر وہ سُدراکا اور مالّی قبائل کے علاقوں میں داخل ہوا، جو پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اب متحد ہو گئے تھے۔ان کی فوج میں 90 ہزار پیادہ، 10 ہزار گھڑ سوار اور 900 رتھ شامل تھے۔ان لڑائیوں کے بعد سکندر نے مزید مشرق کی طرف پیش قدمی جاری رکھنے کے بجائے اپنا رخ موڑ لیا اور دریائے راوی کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھتا ہوا بالآخر دریائے سندھ تک واپس آگیا۔

حوالہ جات

Curtius Rufus. *Histories of Alexander.*

باب ششم: ڈیوڈورس سیکیولس کی روایت میں سکندر اعظم کی پنجاب مہم

Alexander the Great نے ٹیکسائلز کے علاقے میں اپنی فوج کو آرام دے کر تازہ دم کیا اور پھر پڑوسی پنجابی بادشاہ پورس کے خلاف مہم کا آغاز کیا۔ پورس کے پاس پچاس ہزار سے زیادہ پیادہ فوج، تقریباً تین ہزار گھڑ سوار، ایک ہزار سے زائد رتھ اور ایک سو تیس جنگی ہاتھی موجود تھے۔ پورس نے ایک اور حکمران Abisares (ایبی سارس) سے اتحاد بھی کر رکھا تھا، جس کی فوج بھی کم و بیش اسی کے برابر تھی۔ سکندر کو جب معلوم ہوا کہ یہ اتحادی بادشاہ تقریباً چار سو اسٹیڈیا کے فاصلے پر ہے تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی پورس پر حملہ کرے۔

پورس کو جب دشمن کی آمد کی خبر ملی تو اس نے فوراً اپنی فوج کو ترتیب دیا۔ اس نے اپنی گھڑ سوار فوج کو دونوں بازوؤں پر رکھا اور ہاتھیوں کو اگلی صف میں برابر فاصلے پر اس طرح کھڑا کیا کہ دشمن پر خوف طاری ہو جائے۔ ہاتھیوں کے درمیان اس نے اپنی باقی فوج کو تعینات کیا تا کہ وہ ہاتھیوں کی مدد کریں اور دشمن کے حملوں سے ان کی حفاظت کریں۔ اس کی پوری فوجی ترتیب ایک شہر کی مانند دکھائی دیتی تھی—ہاتھی گویا برجوں (میناروں) کی طرح نظر آتے تھے، جبکہ ان کے درمیان کھڑے سپاہی شہر کی دیواروں کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ جب Alexander the Great نے دشمن کی اس ترتیب کو دیکھا تو اس نے اسی کے مطابق اپنی فوج کی صف بندی اور حکمتِ عملی مرتب کی۔

جنگ کا آغاز مقدونی گھڑ سوار فوج نے کیااور ہندوستانیوں کے تقریباً تمام رتھ تباہ کر دیے۔اس کے بعد جنگی ہاتھیوں نے اپنی بے پناہ طاقت اور جسامت کا بھرپور استعمال کیا۔انہوں نے بعض سپاہیوں کو اپنے پاؤں تلے روند کر ہلاک کیااور ان کی زرہیں اور ہڈیاں چکنا چور کر دیں، جبکہ کچھ کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر بلند کیااور زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ بہت سے سپاہیوں کو انہوں نے اپنے دانتوں سے چیر کر ہلاک کر دیا۔

تاہم مقدونی فوج نے نہایت بہادری سے اس خوفناک حملے کا مقابلہ کیا۔انہوں نے اپنے لمبے نیزوں سے ہاتھیوں کے درمیان موجود سپاہیوں کو قتل کیااور یوں جنگ کا توازن برقرار رکھا۔اس کے بعد انہوں نے خود ہاتھیوں پر نیزوں اور برچھیوں کی بارش کر دی، جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ان زخموں کی تکلیف سے ہاتھی بے قابو ہو گئے اور اپنے ہی لشکر کی طرف مڑ کر اپنے ساتھیوں کو روندنے لگے۔

اس صورتِ حال سے میدان میں شدید افراتفری پھیل گئی۔ مگر Porus، جو سب سے بڑے اور طاقتور ہاتھی پر سوار تھا، نے فوراً قابو میں رہنے والے چالیس ہاتھیوں کو اپنے گرد جمع کیااور دشمن پر حملہ کر دیا۔اس نے خود بھی بڑی بہادری سے جنگ کی اور اپنے ہاتھوں سے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا، کیونکہ وہ جسمانی قوت میں اپنی فوج کے تمام سپاہیوں سے بڑھ کر تھا۔ اس کا قد تقریباً پانچ ہاتھ تھااور اس کا جسم اتنا مضبوط تھا کہ اس کی زرہ عام انسان کے مقابلے میں دوگنی تھی۔اس کے پھینکے ہوئے نیزے گویا منجنیق کے گولوں کی طرح قوت رکھتے تھے۔

جب مقدونی سپاہی اس کی غیر معمولی بہادری سے خوفزدہ ہو گئے تو Alexander the Great نے کمان داروں اور ہلکی فوج کو حکم دیا کہ وہ سب مل کر پورس کو نشانہ بنائیں۔ سپاہیوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور تیروں کی بارش کر دی۔ چونکہ پورس ایک نمایاں ہدف تھا، اس لیے کوئی تیر خطا نہ گیا۔ پورس نے

بہادری سے لڑائی جاری رکھی، مگر شدید زخموں اور خون کے زیادہ بہنے کے باعث وہ نڈھال ہو گیا اور اپنے ہاتھی کے سہارے زمین پر گر پڑا۔ جب یہ خبر پھیلی کہ بادشاہ مارا گیا ہے تو باقی ہندوستانی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی، جبکہ ان میں سے بہت سے فرار کے دوران مارے گئے۔

اس شاندار فتح کے بعد Alexander the Great نے نقارہ بجوا کر اپنی فوج کو میدانِ جنگ سے واپس بلایا۔ اس معرکے میں بارہ ہزار سے زائد ہندوستانی مارے گئے، جن میں Porus کے دو بیٹے، اس کے جرنیل اور دیگر ممتاز افسران شامل تھے۔ نو ہزار سے زیادہ افراد قیدی بنائے گئے اور اسی (80) ہاتھی پکڑے گئے۔ پورس، جو ابھی زندہ تھا، اسے علاج کے لیے اس کے اپنے لوگوں کے حوالے کر دیا گیا۔ دوسری جانب مقدونی فوج کے تقریباً ڈھائی سو گھڑ سوار اور سات سو سے زائد پیادہ سپاہی مارے گئے۔

سکندر نے اپنے مقتول سپاہیوں کی تدفین کی اور بہادری دکھانے والوں کو ان کے کارناموں کے مطابق انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد اس نے سورج کو قربانی پیش کی، کیونکہ وہ اسے مشرقی علاقوں کی فتح کا باعث سمجھتا تھا۔

چونکہ اس علاقے کے پہاڑوں میں عمدہ قسم کی لکڑی — جیسے صنوبر، دیودار اور دیگر درخت — کثرت سے موجود تھے، جو جہاز سازی کے لیے موزوں تھے، اس لیے اس نے جہاز تیار کروانے شروع کیے۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہندوستان کی مکمل فتح کے بعد دریاؤں کے راستے سمندر تک پہنچے۔ جہاز سازی کا کام بڑی تیزی سے مکمل ہوا کیونکہ اس میں بڑی تعداد میں لوگوں نے حصہ لیا۔ اس کے بعد سکندر نے پورس کو، اس کی بہادری کے اعتراف میں، دوبارہ اسی علاقے کا بادشاہ مقرر کر دیا جس پر وہ پہلے حکومت کرتا تھا۔

آخر کار اس نے اپنی فوج کو اس زرخیز علاقے میں تیس دن کا آرام دیا، جہاں زندگی کی تمام ضروریات وافر مقدار میں دستیاب تھیں۔ اس نے دو شہر بھی آباد کیے——ایک دریا کے پار اس مقام پر جہاں اس نے عبور کیا تھا، اور دوسرا اسی میدان میں جہاں اس نے Porus کو شکست دی تھی۔

جس پہاڑی علاقے میں یہ معرکہ پیش آیا، وہاں جہاز سازی کے لیے لکڑی کے علاوہ بھی کئی عجیب و غریب چیزیں پائی جاتی تھیں۔ وہاں غیر معمولی جسامت کے سانپ موجود تھے جن کی لمبائی سولہ ہاتھ تک ہوتی تھی، اور اسی طرح بندروں کی کئی اقسام بھی تھیں جو اپنے بڑے سائز کے باعث نمایاں تھیں۔ ان بندروں کے شکار کے لیے ایک خاص ترکیب اختیار کی جاتی تھی، کیونکہ وہ انسانوں کی نقل کرنے کے عادی تھے، مگر اپنی طاقت اور ذہانت کی وجہ سے آسانی سے قابو میں نہیں آتے تھے۔ شکاریوں میں سے کچھ اپنی آنکھوں پر شہد لگاتے، کچھ ان کے سامنے جوتے پہنتے اور کچھ اپنے گلے میں آئینے لٹکاتے۔ پھر وہ جوتوں میں پھندے لگا کر انہیں وہیں چھوڑ دیتے اور شہد کی جگہ گوند لگا دیتے، جبکہ آئینوں کے ساتھ رسیاں باندھ دیتے۔ جب بندر ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے تو ان کی آنکھیں چپک جاتیں، پاؤں پھنس جاتے اور جسم رسوں میں الجھ جاتا، یوں وہ آسانی سے شکار بن جاتے۔

Alexander the Great نے Abisares (ایبی سارس) کو، جو پورس کی مدد کے لیے دیر سے پہنچا تھا، خوفزدہ کر کے اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد اس نے دریا عبور کیا اور ایک نہایت زرخیز علاقے میں داخل ہوا، جہاں ایسے درخت تھے جو ستر ہاتھ تک بلند ہوتے تھے اور اتنے موٹے تھے کہ چار آدمی مل کر بھی انہیں بمشکل گھیر سکتے تھے، جبکہ ان کا سایہ تین سو فٹ تک پھیلتا تھا۔ یہ علاقہ زہریلے سانپوں سے بھی بھرا ہوا تھا۔ یہ سانپ چھوٹے سائز کے مگر مختلف رنگوں کے ہوتے تھے——کچھ کانسی کی طرح چمکدار اور کچھ کے جسم پر بالوں جیسے ریشے ہوتے تھے۔ ان کے ڈسنے سے شدید تکلیف دہ موت واقع

ہوتی تھی، اور متاثرہ شخص کو ایسا پسینہ آتا تھا جو خون کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ ان سانپوں کے باعث مقدونی سپاہی سخت پریشان ہو گئے۔ وہ اپنے بستروں کو درختوں پر لٹکا کر سوتے اور زیادہ تر رات جاگتے رہتے۔ بعد میں جب انہوں نے مقامی لوگوں سے ایک خاص جڑ کے بارے میں جانا جو اس زہر کا تریاق تھی، تو اس کے استعمال سے انہیں سکون ملا اور ان کی تکلیف دور ہو گئی۔

جب Alexander the Great اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھا تو کچھ لوگوں نے آکر اطلاع دی کہ اس علاقے کا بادشاہ Porus (جو اس پورس کا بھتیجا تھا جسے سکندر پہلے شکست دے چکا تھا) اپنا ملک چھوڑ کر گنداریدائی قوم کی طرف بھاگ گیا ہے۔ یہ سن کر سکندر غضبناک ہو گیا اور اس نے Hephaestion کو ایک فوجی دستے کے ساتھ اس کے علاقے میں بھیجا، اور حکم دیا کہ اس کی سلطنت اس پورس کے حوالے کر دی جائے جو اس کا حامی تھا۔

اس کے بعد سکندر خود ادریستائی قوم کے خلاف بڑھا اور ان کے کچھ شہروں کو، جو مزاحمت کر رہے تھے، فتح کر لیا، جبکہ بعض کو صلح پر آمادہ کر لیا۔ پھر وہ کتھیائی قوم کے علاقے میں داخل ہوا، جہاں یہ رواج تھا کہ بیواؤں کو ان کے شوہروں کے ساتھ جلا دیا جائے۔ اس رسم کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ کبھی ایک عورت نے اپنے شوہر کو زہر دے کر قتل کر دیا تھا، جس کے بعد یہ قانون نافذ کیا گیا۔

سکندر نے ان کے سب سے بڑے اور مضبوط شہر کا محاصرہ کیا اور شدید مزاحمت کے باعث پیش آنے والی مشکلات کے بدلے میں اسے جلا کر تباہ کر دیا۔ تاہم جب اس نے ایک اور بڑے شہر کا محاصرہ کیا تو وہاں کے باشندوں نے عاجزی کے ساتھ رحم کی درخواست کی، جسے اس نے قبول کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔

اس کے بعد اس نے ان شہروں پر حملہ کیا جو Sopeithes(سوپیتھیس) کے زیرِ حکومت تھے۔ ان علاقوں میں نہایت بہترین قوانین رائج تھے، اور خاص طور پر حسن و خوبصورتی کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔

اسی وجہ سے بچوں کی پیدائش کے وقت ہی ان میں امتیاز کیا جاتا تھا— جو بچے جسمانی طور پر مکمل اور خوبصورت ہوتے انہیں زندہ رکھا جاتا، جبکہ ناقص بچوں کو ختم کر دیا جاتا۔ شادیوں میں بھی دولت یا جہیز کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی بلکہ صرف خوبصورتی کو معیار بنایا جاتا تھا۔ اس بنا پر ان علاقوں کے لوگ اپنے ہم وطنوں میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ ان کا بادشاہ Sopeithes نہایت حسین اور بلند قامت تھا، جس کا قد چار ہاتھ سے زیادہ تھا۔ وہ اپنے محل سے نکل کر سکندر کے سامنے حاضر ہوا اور اپنی سلطنت اس کے حوالے کر دی۔ مگر سکندر نے اپنی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دوبارہ اس کی حکومت پر برقرار رکھا۔

سوپیتھیس نے بڑی خوش دلی کے ساتھ کئی دنوں تک پوری فوج کی شاندار ضیافت کی اور سکندر کو قیمتی تحائف بھی پیش کیے۔ ان قیمتی تحائف میں جو Sopeithes نے Alexander the Great کو پیش کیے، ڈیڑھ سو (150) ایسے کتے بھی شامل تھے جو اپنی جسامت، طاقت اور دیگر خوبیوں میں غیر معمولی تھے، اور کہا جاتا تھا کہ وہ شیرنی کی نسل سے پیدا کیے گئے تھے۔ سوپیتھیس چاہتا تھا کہ سکندر ان کتوں کی بہادری خود دیکھے، چنانچہ اس نے ایک بالغ شیر کو ایک احاطے میں چھوڑا اور تحفے میں دیے گئے کتوں میں سے نسبتاً کم قیمتی دو کتوں کو اس پر چھوڑ دیا۔ جب وہ دونوں کتے شیر کے مقابلے میں کمزور پڑنے لگے تو اس نے مزید دو کتے بھی چھوڑ دیے۔ جب چاروں کتے مل کر شیر پر غالب آ گئے تو ایک شخص، جس کے ہاتھ میں چھری تھی، احاطے میں داخل ہوا اور ایک کتے کی دائیں ٹانگ کاٹنے لگا۔ اس پر سکندر نے سخت اعتراض کیا اور اس کے محافظ آگے بڑھے تاکہ اس شخص کو روکیں، مگر سوپیتھیس نے کہا کہ وہ اس ایک کتے کے بدلے تین کتے دے دے گا۔

اس کے بعد شکاری نے نہایت سکون سے اس کتے کی ٹانگ آہستہ آہستہ کاٹ دی، مگر وہ کتانہ تو چیخا اور نہ ہی کراہا، بلکہ اپنی جان نکلنے تک شیر کے جسم میں اپنے دانت جمائے رکھا۔ یوں اس نے آخری سانس بھی اسی حالت میں لی۔

پھر وہ دریائے بیاس کی طرف بڑھا، جو سات اسٹیڈیا چوڑا، چھ گز گہرا اور تیز بہاؤ کے باعث عبور کرنا نہایت مشکل تھا۔ Alexander the Great نے محسوس کیا کہ اس کے سپاہی مسلسل مہمات اور تقریباً آٹھ سال تک مسلسل مشقتوں اور خطرات کا سامنا کرنے کے باعث سخت مایوس اور تھک چکے ہیں، اور ان کی حالت نہایت ابتر ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے سمجھا کہ گنداریدائی کے خلاف مہم کے لیے انہیں مناسب دلائل کے ذریعے حوصلہ دینا ضروری ہے۔ لیکن مقدونی سپاہیوں نے اس کی کسی بات کو قبول نہ کیا اور مزید آگے بڑھنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر سکندر نے اپنی اس مہم کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے بعد Alexander the Great نے فیصلہ کیا کہ وہ ان حدود کی نشان دہی کرے جہاں تک وہ پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے بارہ دیوتاؤں کے نام پر پچاس ہاتھ بلند قربان گاہیں تعمیر کروائیں۔ جب یہ تمام کام مکمل ہو گئے تو وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ واپس دریائے چناب کی طرف لوٹا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ کشتیاں تیار ہو چکی ہیں، اور اس نے مزید کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ جب بحری بیڑے کی تیاری مکمل ہو گئی —— جس میں دو سو بڑی کشتیاں اور آٹھ سو معاون کشتیاں شامل تھیں —— تو اس نے دریا کے کنارے بسائے گئے شہروں کو نام دیے۔ ایک شہر کا نام اس نے "نیکیہ" رکھا، اپنی فتح کی یاد میں، جبکہ دوسرے کا نام "بوسیفالا" رکھا، اپنے اس گھوڑے کی یاد میں جو Porus کے خلاف جنگ میں مارا گیا تھا۔ اب Alexander the Great اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ کشتیوں پر سوار ہوا اور جنوبی

سمندر کی طرف روانہ ہوا، جبکہ اس کی فوج کا بڑا حصہ دریائے کے کنارے کنارے Craterus اور Hephaestion کی قیادت میں پیش قدمی کرتا رہا۔

حوالہ جات

Diodorus Siculus. *Bibliotheca Historica.*

باب ہفتم: پلوتارک کی روایت میں سکندر اعظم کی پنجاب مہم

Plutarch کے مطابق سکندر نے خود اپنے خطوط میں بیان کیا ہے کہ Porus کے خلاف جنگ کس طرح لڑی گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ دریائے جہلم (Hydaspes) دونوں لشکروں کے درمیان حائل تھا، اور پورس نے اپنے ہاتھی دریا کے کنارے اس طرح کھڑے کر رکھے تھے کہ وہ ہر وقت گزرگاہ کی نگرانی کرتے رہیں۔

Alexander the Great روزانہ اپنے لشکر میں شور و غل مچواتا تھا تاکہ دشمن اس کی نقل و حرکت کا عادی ہو جائے اور اس سے خوف زدہ نہ رہے۔ آخرکار ایک اندھیری اور طوفانی رات میں اس نے اپنی فوج کے ایک حصے اور منتخب گھڑ سوار دستے کے ساتھ دشمن سے کچھ فاصلے پر جا کر دریا عبور کیا اور ایک جزیرے تک پہنچ گیا۔ وہاں شدید طوفان اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، حتیٰ کہ بجلی گرنے سے اس کے کچھ سپاہی ہلاک بھی ہو گئے، مگر اس کے باوجود وہ آگے بڑھتا رہا اور آخرکار دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ دریا بارشوں کی وجہ سے طغیانی میں تھا اور اس کا بہاؤ نہایت خطرناک ہو چکا تھا۔ پانی کے نئے راستے کو عبور کرتے وقت زمین پھسلن بھری اور ناہموار تھی، جس کے باعث قدم جما کر رکھنا مشکل تھا۔

اسی موقع پر سکندر نے کہا:
اے ایتھنز کے لوگو! کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ میں تمہاری تعریف حاصل کرنے کے لیے کس قدر خطرات مول لے رہا ہوں؟

دریا عبور کرنے کے بعد وہ اپنی پیادہ فوج سے تقریباً بیس اسٹیڈیا آگے بڑھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر دشمن صرف گھڑ سوار بھیجے تو وہ انہیں شکست دے دے گا، اور اگر پوری فوج آئے تو وہ اپنی پیادہ فوج کو وقت پر بلا لے گا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا، کیونکہ اسے دشمن کے ایک ہزار گھڑ سوار اور ساٹھ رتھ ملے، جنہیں اس نے شکست دی، تمام رتھ قبضے میں لے لیے اور چار سو گھڑ سوار ہلاک کر دیے۔

جب پورس کو معلوم ہوا کہ سکندر دریا پار کر چکا ہے تو وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا، صرف کچھ دستے اپنے کیمپ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے۔ سکندر نے دشمن کی تعداد اور ہاتھیوں سے بچنے کے لیے سامنے سے حملہ کرنے کے بجائے بائیں بازو پر حملہ کیا اور Coenus کو حکم دیا کہ وہ دائیں بازو سے حملہ کرے۔ دونوں اطراف سے حملہ ہونے پر دشمن کی صفیں ٹوٹ گئیں اور وہ مرکز کی طرف سمٹنے لگے جہاں ہاتھی کھڑے تھے۔ جنگ صبح سے شروع ہوئی اور نہایت شدت کے ساتھ جاری رہی، یہاں تک کہ آٹھ گھنٹے بعد ہندوستانیوں نے مزاحمت ترک کر دی۔

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ پورس کا قد چار ہاتھ اور ایک بالشت تھا، اور اس کی جسامت اس کے ہاتھی کے مطابق تھی، جیسے عام آدمی اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ اس کا ہاتھی بھی نہایت وفادار اور سمجھدار تھا——جب تک وہ طاقتور رہا، اس نے اپنے مالک کا دفاع کیا، اور جب اس نے محسوس کیا کہ پورس زخموں سے نڈھال ہو رہا ہے تو اس نے آہستگی سے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنی سونڈ سے اس کے جسم سے تیر نکالنے لگا۔

جب پورس قیدی بنا کر سکندر کے سامنے لایا گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے۔ اس نے جواب دیا:

بادشاہوں جیسا۔

جب سکندر نے مزید پوچھا کہ کیا اور کچھ کہنا ہے تو اس نے کہا: یہی سب کچھ ہے — بادشاہوں جیسا سلوک۔

اس جواب سے متاثر ہو کر سکندر نے نہ صرف اسے اس کی بادشاہت واپس دے دی بلکہ اسے مزید علاقے بھی عطا کیے۔ اس نے ایک وسیع خطہ فتح کیا جس میں پندرہ قبائل، پانچ ہزار بڑے شہر اور بے شمار دیہات شامل تھے۔ مزید ایک اور بڑا علاقہ بھی فتح کر کے اس نے اپنے ایک ساتھی Philippos کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔

Alexander the Great اور Porus کے درمیان جنگ کے بعد اس کا مشہور گھوڑا Bucephalus وفات پا گیا۔ اکثر مؤرخین کے مطابق وہ جنگ میں لگنے والے زخموں کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد مرا، جبکہ بعض، خصوصاً Onesikritos، کے مطابق وہ بڑھاپے اور مسلسل مشقت کے باعث ہلاک ہوا، کیونکہ اس کی عمر تقریباً تیس سال ہو چکی تھی۔ سکندر کو اس کی موت کا بے حد صدمہ ہوا، گویا اس نے کسی وفادار دوست اور ساتھی کو کھو دیا ہو۔ اس نے دریائے جہلم کے کنارے ایک شہر تعمیر کیا اور اپنے گھوڑے کی یاد میں اس کا نام بوسیفالا رکھا۔ اسی طرح روایت ہے کہ جب اس کا ایک محبوب کتا، Peritas، جسے وہ خود پال کر بڑا کیا تھا، مر گیا تو اس نے اس کے نام پر بھی ایک شہر آباد کیا۔

Porus کے ساتھ جنگ نے مقدونی سپاہیوں کے حوصلے پست کر دیے اور وہ مزید ہندوستان میں پیش قدمی کرنے سے بددل ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے بڑی مشکل سے اس بادشاہ کو شکست دی تھی، حالانکہ اس کی فوج صرف بیس ہزار پیادہ اور دو ہزار گھڑ سوار پر مشتمل تھی۔ اس لیے جب Alexander the Great نے اصرار کیا کہ وہ دریائے گنگا عبور کریں، تو انہوں نے نہایت سختی سے اس کی مخالفت کی۔

انہوں نے سنا تھا کہ یہ دریا بتیس اسٹیڈیا چوڑا اور سو فیتھم گہرا ہے، جبکہ اس کے پار کے علاقے مکمل طور پر مسلح فوج، گھوڑوں اور جنگی ہاتھیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ گندار یتائی اور پراسیائی اقوام کے بادشاہ—جن میں Xandrames بھی شامل تھا—اس کے مقابلے کے لیے اسی ہزار گھڑ سوار، دو لاکھ پیادہ، آٹھ ہزار رتھ اور چھ ہزار جنگی ہاتھیوں کے ساتھ تیار بیٹھے ہیں۔ ابتدا میں سکندر غصے اور مایوسی میں اپنے خیمے میں چلا گیا اور خود کو تنہائی میں بند کر لیا۔ وہ ان لوگوں سے ناخوش تھا جنہوں نے دریائے گنگا عبور کرنے کے اس کے ارادے کو ناکام بنایا، اور وہ واپسی کو گویا شکست کا اعتراف سمجھتا تھا۔ لیکن آخر کار اپنے دوستوں کی نصیحت اور سپاہیوں کی التجاؤں سے، جو اس کے خیمے کے دروازے پر کھڑے رو رہے تھے، وہ نرم پڑ گیا اور واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

تاہم روانگی سے پہلے اس نے مقامی لوگوں میں اپنی عظمت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے لیے کئی تدابیر اختیار کیں۔ مثلاً اس نے انسانوں کے لیے غیر معمولی بڑے ہتھیار، اور گھوڑوں کے لیے بڑے اصطبل اور لگامیں بنوائیں اور انہیں وہیں چھوڑ دیا تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر حیران ہوں۔ اس نے دیوتاؤں کے لیے قربان گاہیں بھی تعمیر کیں، جنہیں پراسیائی حکمران آج تک احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور وہاں یونانی طریقے کے مطابق قربانیاں پیش کرتے تھے۔

اس کے بعد Alexander the Great نے آگے بڑھتے ہوئے یہ ارادہ کیا کہ وہ سمندر تک پہنچ کر اسے خود دیکھے۔ اس مقصد کے لیے اس نے بہت سی کشتیاں اور بیڑے تیار کروانے کا حکم دیا اور پھر دریاؤں کے راستے آہستہ آہستہ سفر شروع کیا۔ یہ سفر صرف آرام دہ نہیں تھا بلکہ اس کے دوران جنگی کارروائیاں بھی جاری رہیں۔ وہ وقتاً فوقتاً کنارے پر اترتا اور دریا کے ساتھ واقع شہروں پر حملہ کر کے انہیں فتح کرتا جاتا تھا۔

اسی دوران وہ Malloi نامی قوم کے علاقے میں پہنچا، جو پنجاب کی سب سے بہادر قوموں میں شمار ہوتی تھی۔ یہاں ایک شہر کے محاصرے کے دوران ایک خطرناک واقعہ پیش آیا جس میں سکندر کی جان جاتے جاتے بچی۔ جب اس نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ قلعے کی دیواروں پر حملہ کیا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیا، تو وہ خود سب سے پہلے سیڑھی پر چڑھ کر دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ لیکن اسی وقت وہ سیڑھی ٹوٹ گئی اور وہ تقریباً اکیلا ہی قلعے کے اندر رہ گیا۔ ادھر دشمن، جو دیوار کے اندر موجود تھے، نیچے سے اس پر تیر اور دیگر ہتھیار پھینکنے لگے، اور سکندر ایک انتہائی خطرناک صورتحال میں گھر گیا۔ جب نیچے سے دشمن اس پر مسلسل تیر اور ہتھیار برسا رہے تھے تو Alexander the Great نے خود کو سنبھالا اور اچانک چھلانگ لگا کر دشمنوں کے درمیان جا اترا، اور خوش قسمتی سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ جب وہ اپنے ہتھیار لہرا رہا تھا تو ان کی چمک دیکھ کر دشمنوں کو یوں محسوس ہوا جیسے بجلی چمک رہی ہو یا کوئی غیر معمولی روشنی اس کے گرد ہو، اس لیے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ صرف دو ساتھی ہیں تو انہوں نے قریب آ کر تلواروں اور نیزوں سے اس پر حملہ کیا۔ اسی دوران ایک شخص نے کچھ فاصلے سے زور سے تیر چلایا جو سکندر کی زرہ کو چیرتا ہوا اس کے سینے کی ہڈی میں جا پیوست ہوا۔ اس شدید ضرب سے وہ لڑکھڑا کر گھٹنوں کے بل گر گیا۔ ایک دشمن تلوار لے کر اسے ختم کرنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن Peucestas اور لیمنائیوس نے اس کے سامنے آ کر اس کی حفاظت کی۔ دونوں زخمی ہو گئے، جن میں سے ایک جان سے بھی گیا، مگر پیوکستاس نے مقابلہ جاری رکھا، اور سکندر نے خود اپنے ہاتھ سے اس دشمن کو مار ڈالا۔

سکندر کو کئی جگہ زخم آئے، اور آخرکار ایک گرز کے وار سے اس کی گردن پر چوٹ لگی جس سے وہ دیوار کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔ اسی دوران مقدونی سپاہی وہاں پہنچ گئے، انہوں نے اسے گھیر لیا اور بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر اس کے خیمے میں لے گئے۔ فوج میں فوراً یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ مر گیا ہے۔ اس کے

ساتھیوں نے بڑی مشکل سے تیر کو کاٹ کر اس کی زرہ اتاری اور پھر اس تیر کا نوکیلا حصہ، جو پسلی میں گہرا دھنس چکا تھا، نکالا۔ یہ تیر کا پھل تقریباً تین انگلی چوڑا اور چار انگلی لمبا تھا۔ جب اسے نکالا گیا تو وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا اور موت کے قریب پہنچ گیا، مگر آخر کار ہوش میں آ گیا۔ جب اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی مگر وہ ابھی کمزور تھا، تو اس نے اپنے خیمے کے باہر شور سنا۔ معلوم ہوا کہ سپاہی اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔ وہ اپنی چادر اوڑھ کر باہر نکلا تاکہ انہیں تسلی دے سکے۔ اس کے بعد اس نے دیوتاؤں کو قربانی پیش کی اور دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی، راستے میں آنے والے وسیع علاقوں اور کئی اہم شہروں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

حوالہ جات

Plutarch. *Life of Alexander.*

باب ہشتم: جسٹن کی روایت میں سکندر اعظم کی پنجاب مہم

پنجاب کا ایک بادشاہ Porus، جو جسمانی قوت اور اعلیٰ حوصلے میں نمایاں تھا، جب اسے Alexander the Great کی آمد کی خبر ملی تو اس نے اس کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ جب لڑائی شروع ہوئی تو اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ مقدونیوں پر حملہ کریں، اور گویا اس نے سکندر کو اپنا ذاتی دشمن سمجھتے ہوئے اسی کا مطالبہ کیا۔ سکندر نے فوراً مقابلہ کیا، مگر ابتدائی حملے میں اس کا گھوڑا زخمی ہو گیا اور وہ زمین پر گر پڑا، جہاں اس کے ساتھیوں نے فوری مدد کر کے اسے بچایا۔ دوسری طرف پورس بھی شدید زخمی ہونے کے باعث بے ہوش ہونے لگا اور آخر کار قیدی بنا لیا گیا۔

شکست کا صدمہ اسے اس قدر گہرا لگا کہ جب اسے امان دی گئی تو اس نے نہ کھانا کھانا چاہا اور نہ ہی اپنے زخموں کا علاج کروانے دیا، بلکہ وہ زندگی سے بھی تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔ مگر سکندر نے اس کی بہادری کا احترام کرتے ہوئے اسے بحفاظت اس کی بادشاہت واپس کر دی۔

اسی مقام پر سکندر نے دو شہر آباد کیے—ایک کا نام "نیکیہ" رکھا اور دوسرے کا "بوسیفالا"، اپنے گھوڑے کے نام پر۔

اس کے بعد وہ آگے بڑھا اور ادریستائی، گیسٹینی، پراسیدی اور گنداریدائی اقوام کو فتح کیا، ان کی افواج کو سخت نقصان پہنچایا۔

جب وہ دریائے Cuphites River(کوفائٹس) کے مقام پر پہنچا تو دشمن دو لاکھ گھڑ سواروں کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اس وقت اس کے سپاہی نہ صرف مسلسل مشقت بلکہ مسلسل فتوحات سے بھی تھک چکے تھے۔

انہوں نے آنسوؤں کے ساتھ اس سے درخواست کی کہ اب جنگ کا خاتمہ کیا جائے، اپنے وطن کو یاد کیا جائے، اور سپاہیوں کی عمر اور حالت کا خیال رکھا جائے۔ کچھ نے اپنے سفید بال دکھائے، کچھ نے اپنے زخم، اور کچھ نے اپنے کمزور جسم۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے دو بادشاہوں—فلپ اور سکندر—کے تحت مسلسل خدمت کی ہے، اور اب چاہتے ہیں کہ واپس جا کر اپنے آباؤاجداد کی قبروں میں دفن ہوں۔

انہوں نے مزید کہا کہ وہ سکندر کی خواہشات کے خلاف نہیں بلکہ اپنی کمزوری کی وجہ سے آگے بڑھنے سے قاصر ہیں۔ اگر وہ سپاہیوں پر رحم نہیں کرتا تو کم از کم اپنے اوپر رحم کرے اور اپنی خوش قسمتی کو زیادہ آزمائش میں نہ ڈالے۔ ان معقول اور درد بھری درخواستوں نے سکندر کو متاثر کیا، اور اس نے گویا اپنی فتوحات کے اختتام کو قبول کرتے ہوئے ایک غیر معمولی بڑا اور شاندار لشکر گاہ تعمیر کرنے کا حکم دیا، تاکہ اس کی عظمت دشمنوں کو خوفزدہ کرے اور آئندہ نسلوں کے لیے باعثِ حیرت ہو۔ سپاہیوں نے اس کام کو بڑی خوشی اور جوش کے ساتھ مکمل کیا، اور جب یہ ختم ہوا تو وہ اسی خوشی سے واپس روانہ ہوئے جیسے کسی بڑی فتح کے بعد لوٹ رہے ہوں۔

اس کے بعد Alexander the Great دریائے چناب کی طرف بڑھا اور وہاں سے کشتیوں کے ذریعے سمندر کی جانب سفر شروع کیا۔ راستے میں اسے ہیاسینسانی اور سِلی قوموں کی اطاعت حاصل ہوئی، جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ انہیں Hercules نے آباد کیا تھا۔

مزید آگے بڑھتے ہوئے وہ امبری اور سگمبری قوموں تک پہنچا، جنہوں نے اسی ہزار پیادہ اور ساٹھ ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ سکندر نے انہیں شکست دی اور شہر فتح کرنے کے بعد سکندر نے سمندر کے نام قربانی پیش کی اور دعا کی کہ وہ خیریت سے اپنے وطن واپس پہنچے۔ اس کے بعد وہ موافق ہوا کے ساتھ سفر کرتا ہوا دریائے Indus River کے دہانے تک پہنچ گیا۔

حوالہ جات

Justin. *Epitome of Pompeius Trogus.*

باب نہم: سکندر اعظم کے پنجاب آنے کے تاریخی ثبوت

قدیم مؤرخین کے بیانات اور جغرافیائی شواہد کی روشنی میں سکندر کی پنجاب مہم

سکندر اعظم (Alexander the Great) کی پنجاب مہم کا سب سے مضبوط ثبوت قدیم یونانی ورومی مؤرخینArrian،Curtius Rufus،Diodorus Siculus، PlutarchاورJustin کے بیانات ہیں۔ ان تمام مؤرخین کی تحریروں میں سکندر کی پنجاب مہم کا ذکر تفصیل سے موجود ہے، اور ان کے بیانات جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔

ان مؤرخین کے مطابق سکندر نے ہندوکش کے پہاڑی راستوں سے گزرتے ہوئے شمال مغربی برصغیر میں داخلہ لیااور سوات کے علاقوں میں Aspasioi اور Assakenoi قبائل سے جنگیں لڑیں۔اس کے بعد وہ دریائے سندھ عبور کر کے ٹیکسلا پہنچا، جو ایک اہم علمی اور سیاسی مرکز تھا۔ پھر وہ دریائے جہلم (Hydaspes)تک پہنچاجہاں اس نے راجہ پورس کے ساتھ مشہور جنگ لڑی اوراسی مقام کے قریب NicaeaاورBucephala جیسے شہر قائم کیے۔

اس کے بعد سکندر نے مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سنگلا (Sangala) کو فتح کیا، جو Cathaeansقبیلے کاایک مضبوط قلعہ بند شہر تھا۔ یہاں یہ بات اہم ہے کہ سنگلا، جسے قدیم زمانے میں Sakalaیا Sagala کہا جاتا تھا، سکندر کی آمد سے بہت پہلے ایک اہم اور قدیم شہر تھا۔ اس کا ذکر مہابھارت میں مدرریاست کے دارالحکومت کے طور پر، بدھ مت کی جاتک کہانیوں میں ایک ترقی یافتہ شہر

کے طور پر، اور Panini کی اشٹادھیائی میں ایک معروف شہری مرکز کے طور پر ملتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شہر پہلے سے ہی ایک مضبوط اور اہم مرکز تھا جسے سکندر نے اپنی مہم کے دوران فتح کیا۔

دریائے بیاس تک پہنچ کر سکندر کی فوج نے مزید آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، جس کے بعد اس نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ واپسی کے دوران سکندر اعظم (Alexander the Great) نے دریائے جہلم اور چناب کے سنگم کا مشاہدہ کیا، جس کا ذکر Arrian نے کیا ہے۔ یہ مقام آج بھی موجود ہے جہاں جہلم واقعی چناب میں جا کر ملتا ہے، جو قدیم بیانات کی درستگی اور سکندر کے اس علاقے تک پہنچنے کا واضح جغرافیائی ثبوت ہے۔ واپسی کے دوران وہ ملوئی (Malloi) کے علاقے سے گزرا، جہاں اسے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخی طور پر سکندر اعظم (Alexander the Great) کی آمد سے پہلے بھی یہ علاقہ ایک اہم اور معروف خطہ تھا۔ تقریباً 500 قبل مسیح میں یہ علاقہ ہخامنشی فارسی سلطنت کا حصہ تھا، جس پر Darius the Great کی حکمرانی تھی، اور یہ گندھارا تہذیب سے وابستہ تھا۔ اسی طرح یونانی ذرائع سے بھی اس خطے کا ذکر ملتا ہے۔ یونانی ملاح Scylax of Caryanda کے بارے میں روایت ہے کہ وہ 515 قبل مسیح میں اس علاقے سے گزرا، جبکہ مؤرخ Herodotus نے تقریباً 400 قبل مسیح میں اس خطے کا ذکر کیا۔ اس کے بعد وہ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھتا ہوا سندھ کے علاقوں میں پہنچا اور بالآخر بحیرہ عرب تک جا پہنچا۔

یہ مکمل جغرافیائی تسلسل—سوات سے سندھ تک، دریاؤں کے نظام، قدیم شہروں، اور مختلف قبائل کے ساتھ جنگوں کی صورت میں—اس بات کا مضبوط ثبوت فراہم کرتا ہے کہ سکندر اعظم کی ہندوستانی مہم ایک حقیقت پر مبنی اور حقیقی تصور کیا جاتا ہے۔

آثارِ قدیمہ کے شواہد کی روشنی میں سکندر کی پنجاب مہم

بزیرا(Bazira / Barikot)

اطالوی ماہرِ آثارِ قدیمہ Luca Maria Olivieri کی تحقیق کے مطابق بزیرا (باریکوٹ) میں سکندر اعظم (Alexander the Great) کے دور کے آثارِ قدیمہ کے شواہد موجود ہیں۔ کھدائی کے دوران ایسی تہیں دریافت ہوئیں جو براہِ راست سکندر کے زمانے (چوتھی صدی قبل مسیح) سے تعلق رکھتی ہیں، جن میں محاصرے کے نشانات اور اس دور کی آبادی کے آثار شامل ہیں۔ یہ دریافت اس بات کی مضبوط دلیل فراہم کرتی ہے کہ سکندر واقعی اس مقام تک پہنچا اور یہاں اس کی مہم کے آثار محفوظ ہیں۔

آورنوس (Aornos) پیر سر

شانگلہ کے علاقے میں واقع آورنوس (موجودہ پیر سر پہاڑ) کو سکندر اعظم کی مہم سے جوڑا جاتا ہے۔ مشہور ماہرِ آثارِ قدیمہ Aurel Stein نے اپنی تحقیق میں اس مقام کی نشاندہی کی، جو یونانی مؤرخین کے بیان کردہ پہاڑ — یعنی اونچائی، گھیراؤ اور ''چٹانی چوٹی'' — سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔ یہی وہ مقام سمجھا جاتا ہے جہاں سکندر نے اپنی ایک انتہائی مشکل اور مشہور پہاڑی جنگ لڑی، جس میں اسے مقامی قبائل کے خلاف شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حوالے سے بنیادی ماخذ On Alexander's Track to the Indus ہے، جس میں اس مقام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

ٹیکسلا — (Bhir Mound)

ٹیکسلا کے قدیم ترین حصے بھیر ماؤنڈ (Bhir Mound) کی کھدائیوں سے ایسے آثارِ قدیمہ دریافت ہوئے ہیں جو سکندر اعظم کے دور سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ان میں یونانی طرز کے برتن، زیورات اور سکندر کے زمانے کے سکے (tetradrachms) شامل ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہاں یونانی اثرات موجود تھے

جہلم (Mong) اور جلالپور کے ٹیلے

جہلم کے علاقے میں مونگ (Mong) اور جلالپور شریف کے قدیم ٹیلوں سے ہیلینسٹک دور کے برتن اور سکے دریافت ہوئے ہیں، اگرچہ یہاں مکمل اور گہری کھدائی ابھی محدود ہے۔یہ آثار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس علاقے میں یونانی اثرات موجود تھے۔ لیکن اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ آثار سکندر اعظم کے عہد (326ق م) کے بجائے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد کے ہیں۔

سنگلا(Sangala)

سنگلا کے مقام کے بارے میں ایک اہم تاریخی و آثارِ قدیمہ بحث موجود ہے کہ آیا سکندر اعظم سنگلا موجودہ سنگلاہِل ہے یا سیالکوٹ۔آثارِ قدیمہ کے مطابق دونوں مقامات قدیم بنیاد رکھتے ہیں، لیکن کسی جگہ سے بھی چوتھی صدی قبل مسیح کے واضح یونانی آثار ثابت نہیں ہوئے۔

سنگلاہِل

زیادہ تر مؤرخین، خصوصاً Alexander Cunningham، اسے جنگِ سنگلا (326 ق م) کا مقام قرار دیتے ہیں۔ یہاں ایک بڑا قدیم ٹیلہ (Tibba)، بڑی جسامت کی قدیم اینٹیں (تقریباً 15 انچ تک)، اور مٹی کی فصیل کے آثار ملتے ہیں جو قبل از یونانی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ موجود نشیبی علاقہ، جو پہلے دلدل تھا، یونانی مؤرخین کی بیان کردہ جغرافیائی تفصیل سے مطابقت رکھتا ہے۔ ان شواہد کی بنیاد پر اسے ایک جنگی مقام اور تباہ شدہ شہر سمجھا جاتا ہے، جسے سکندر نے فتح کے بعد ختم کر دیا۔ لیکن یہاں بھی کسی جگہ سے بھی چوتھی صدی قبل مسیح کے واضح یونانی آثار ثابت نہیں ہوئے۔

سیالکوٹ (قدیم ساگلا)

دوسری طرف کئی ماہرین کے مطابق بعد کے بدھ مت اور یونانی متون میں جس Sagala کا ذکر ہے، وہ موجودہ سیالکوٹ ہے۔ یہاں کا قلعہ ایک بڑے قدیم ٹیلے پر قائم ہے، جہاں کھدائی سے ہخامنشی اور ویدک ادوار کی تہیں سامنے آئی ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ہند-یونانی بادشاہ Menander I کے ہزاروں سکے ملے ہیں، جو بعد کے یونانی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں، تاہم یہ سکندر کے دور کے نہیں بلکہ تقریباً 150 سال بعد کے ہیں۔

تلُمبہ

تلُمبہ کو اکثر ملوئی (Malloi) قبیلے کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا ہے، تاہم اسے ان کا واحد یا مرکزی دارالحکومت کہنا قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ سکندرِ اعظم (Alexander the Great) کی مہم کے

دوران یہ علاقہ ملوئی قبائل کا مضبوط قلعہ بند مقام تھا، جس کا ذکر Arrianاور دیگر مؤرخین نے کیا ہے۔ تلُمبہ میں سکندر اعظم (Alexander the Great) کے دور سے متعلق آثارِ قدیمہ شواہد واضح طور پر ملتے ہیں۔ M. Rafique Mughalکی 1967 کی کھدائیوں میں قدیم ترین تہہ (500–200 ق م) دریافت ہوئی، جو اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ سکندر کے زمانے میں یہاں ایک مضبوط اور قلعہ بند شہر موجود تھا۔ اسی تہہ میں راکھ اور ملبے کی موجودگی شہر کی تباہی کا سائنسی ثبوت فراہم کرتی ہے، جو Arrian کے بیان کردہ سکندر کے حملے سے مطابقت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

Herodotus. *Histories*, Book IV.

Callieri, P. (2016). "The Italian Archaeological Mission in Pakistan: Excavations at Barikot."

Stein, A. (1929). "On Alexander's Track to the Indus.

Marshall, J. (1951). "Taxila: An Illustrated Account of Archaeological Excavations."

Cunningham, A. (1871). "The Ancient Geography of India."

Mughal, M. Rafique (1967). "Excavations at Tulamba, West Pakistan." *Pakistan Archaeology*, Vol. 4, pp. 12–152

باب دہم: قدیم مؤرخین کے بیانات، جغرافیہ اور آثارِ قدیمہ —— ایک تقابل اور تنقیدی مطالعہ

حالیہ مؤرخین، جن میں بدھا پرکاش، اے۔ کے۔ نارائن اور ایچ۔ سی۔ سیٹھ شامل ہیں، قدیم یونانی متون کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ دریائے جہلم کی جنگ کے بیانات میں باہمی تضادات موجود ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یونانی مصنفین نے ممکنہ طور پر ایک زیادہ مشکل، بلکہ شاید غیر کامیاب مہم کو چھپانے کی کوشش کی۔ وہ اس ضمن میں چند اہم اختلافات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اول، ہندوستانی فوج کے نقصانات کے بارے میں یونانی مؤرخین کے اعداد و شمار میں نمایاں فرق ہے؛ مثلاً آرین کے مطابق 20,000 پیادہ اور 3,000 سوار مارے گئے، جبکہ ڈائیوڈورس 12,000 ہلاک اور 9,000 قیدیوں کا ذکر کرتا ہے۔ جدید مؤرخین کے نزدیک یہ اعداد و شمار مبالغہ آمیز ہیں، کیونکہ اگر پورس کی فوج مکمل طور پر تباہ ہو گئی ہوتی تو سکندر کو اس سے مصالحت کی ضرورت نہ پڑتی۔ دوم، پورس کی ''اطاعت'' یا ملاقات کی نوعیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے؛ کرٹیس اسے ایک ڈرامائی اور ذلت آمیز منظر بناتا ہے، جبکہ پلوٹارک اسے دو تھکے ہوئے جنگجوؤں کی ملاقات قرار دیتا ہے۔ جدید تجزیہ کے مطابق ''مجھے بادشاہ کی طرح برتاؤ کرو'' جیسا مکالمہ دراصل یونانی ادبی روایت ہے، جو سکندر کی فیاضی ظاہر کرنے کے لیے استعمال

ہوا، جبکہ حقیقت میں یہ ایک سیاسی سمجھوتہ تھا۔ سوم، جنگی ہاتھیوں کے کردار کو مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے؛ آرین انہیں افراتفری کا باعث بتاتا ہے، جبکہ کرٹیس انہیں خوفناک ''عفریت'' قرار دیتا ہے۔ جدید مؤرخین کے نزدیک یہ فرق اس بات کا ثبوت ہے کہ ہاتھی صرف فوجی رکاوٹ نہیں بلکہ نفسیاتی خوف کا ذریعہ بھی تھے۔ چہارم، پورس کو اس کی سلطنت واپس دینا اور مزید علاقے عطا کرنا ایک بڑا تضاد ہے، کیونکہ سکندر کی تاریخ میں کسی شکست خوردہ حکمران کو اس طرح انعام نہیں دیا گیا؛ اس بنا پر ایچ۔ سی۔ سیٹھ کے مطابق یہ دراصل کسی تعطل یا ناکامی کو ''فیاضی'' کے پردے میں پیش کرنے کی کوشش تھی۔ پنجم، راجہ پورس کے ہتھیار ڈالنے کے بارے میں تضاد۔ جدید مؤرخین کے مطابق یہ فرق اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یونانی قیادت اپنی فوجی کمزوری اور نقصانات کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس طرح یہ تمام اختلافات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ سکندر اور پورس کی جنگ کی روایات یکساں نہیں بلکہ مختلف تعبیرات پر مبنی ہیں، جنہیں سمجھنے کے لیے تنقیدی نقطۂ نظر ضروری ہے۔

اوپر والے پیراگراف میں سکندر اور راجہ پورس کی جنگ کے دوران پائے جانے والے اختلافات اور تضادات پر بحث کی جا چکی ہے۔ سکندر اور راجہ پورس کی جنگ کے حوالے سے جو اختلافات اور تضادات سامنے آتے ہیں، ان پر مختلف مؤرخین پہلے ہی تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ تاہم اس کتاب میں ہماری توجہ خاص طور پر اس مرحلے پر مرکوز ہوگی جب سکندر دریائے جہلم کے مشرق میدانی پنجاب کی جانب بڑھتا ہے۔ ہم اس دور کی قدیم یونانی مؤرخین کی روایات اور بیانات میں پائے جانے والے اختلافات کو صرف

روایتی تاریخی حوالوں تک محدود رکھنے کے بجائے جغرافیائی شواہد اور آثارِ قدیمہ کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کریں گے۔ اس مقصد کے لیے ہم قدیم متون کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ان کے بیانیہ، مقامات کی نشاندہی، راستوں کی تفصیل اور جنگی حرکات کو زمینی حقائق سے ملا کر دیکھیں گے، تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ ان میں کہاں مبالغہ، غلط فہمی یا ادبی انداز شامل ہے۔ اس طرح ہماری کوشش ہو گی کہ تاریخی روایات کو جدید تحقیق کے تناظر میں جانچ کر ایک زیادہ متوازن اور حقیقت کے قریب نتیجہ اخذ کیا جا سکے۔

بوسیفیلس کی موت: قدیم مؤرخین کے مختلف بیانات

قدیم مؤرخین کے درمیان اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ سکندرِ اعظم کے گھوڑے بوسیفیلس (Bucephalus) کی موت 326 قبل مسیح میں جنگ ہائیڈیسپس (جنگِ دریائے جہلم) کے بعد کیسے واقع ہوئی۔ اگرچہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ سکندر اس کی موت سے گہرے صدمے میں تھا اور اس نے اپنے گھوڑے کی یاد میں بوسیفیلا (Bucephala) کے نام سے ایک شہر قائم کیا، لیکن اس کی موت کی وجہ کے بارے میں مؤرخین دو بڑی آرا میں تقسیم ہو جاتے ہیں:

قدیم سوانح نگاروں کی اکثریت اس رائے کی طرف مائل ہے کہ بوسیفیلس اپنی طویل مہمات کے بعد طبعی عمر پوری ہونے پر مرا، نہ کہ جنگی زخموں کی وجہ سے۔ ایرین (Arrian) اپنی کتاب Anabasis Alexandri میں لکھتا ہے کہ تقریباً تیس سالہ یہ گھوڑا بڑھاپے اور تھکن کے باعث سکندرِ اعظم کے دریائے جہلم کو عبور کرنے سے پہلے ہی وفات پا گیا تھا۔ پلوٹارک (Plutarch) دیگر روایات کا ذکر کرنے کے باوجود اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ گھوڑا فوراً نہیں مرا بلکہ جنگ ہائیڈیسپس (جنگِ دریائے

جہلم) کے کچھ عرصہ بعد تھکن اور بڑھاپے کے سبب مر گیا۔ اس کے برعکس بعض روایات ایک زیادہ "جنگی" انجام بیان کرتی ہیں؛ مثلاً رومی مؤرخ جسٹن(Justin) ، جو اکثر یونانی مصادر کا خلاصہ پیش کرتا ہے، کے مطابق بوسیفیلس دریائے جہلم کی جنگ کے آغاز ہی میں گر پڑا۔ اسی طرح اس کے مرنے کی جگہ پر بھی تضاد پایا جاتا ہے، کچھ اسے دریائے جہلم کے مغرب میں بتاتے ہیں، کچھ دریائے جہلم کے مشرق جنگ کے مقام پر، اور کچھ اسے دریائے چناب کے پاس بتاتے ہیں۔

بوسیفیلا اور نِکایا کے مقامات: قدیم مؤرخین کے اختلافات

قدیم یونانی و رومی مؤرخین کے درمیان اس بات پر واضح اختلاف پایا جاتا ہے کہ بوسیفیلا (Bucephala)اور نِکایا (Nicaea) کے شہر دریائے ہائیڈیسپس (جہلم) کے کس کنارے پر واقع تھے۔ ایرین (Arrian) کے مطابق بوسیفیلا دریا کے مغربی کنارے (دائیں جانب) اُس مقام پر تعمیر کیا گیا جہاں سے سکندر نے دریا عبور کیا تھا، جبکہ نِکایا مشرقی کنارے (بائیں جانب) اُس جگہ قائم کیا گیا جہاں پورس کے خلاف جنگ جیتی گئی۔ پلوٹارک (Plutarch) اس کے برعکس بوسیفیلا کو مشرقی کنارے پر رکھتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ یہ وہی مقام تھا جہاں جنگ کے بعد گھوڑا بوسیفیلس مرا تھا۔ ڈیودورس سیکولس (Diodorus Siculus) نے دونوں شہروں کے قیام کا ذکر تو کیا، مگر اس نے زیادہ توجہ اس بات پر دی کہ یہ شہر سکندر کی فتح اور اس کے گھوڑے کی یادگار کے طور پر بنائے گئے، جبکہ اس نے جغرافیائی تفصیلات کم فراہم کیں۔ کرٹیئس روفس (Curtius Rufus) دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر شہر آباد کرنے کا ذکر کرتا ہے مگر وہ انہیں کوئی نام نہیں دیتا، اور پھر بیاس سے واپسی پر دریائے چناب کے پاس بوسیفیلا (Bucephala) اور نِکایا (Nicaea) کے شہر آباد کرنے کا ذکر کرتا ہے۔

جدید محققین نے یہ رائے پیش کی ہے کہ سکندر اعظم کے قائم کردہ دو شہر، بوسیفیلا (Bucephala) اور نیکایا(Nicaea) ، موجودہ جلالپور شریف، مونگ یا پھالیہ کے مقامات سے مطابقت رکھتے ہو سکتے ہیں، تاہم ان مقامات سے حاصل ہونے والے آثارِ قدیمہ اس دعوے کی قطعی تصدیق نہیں کرتے۔ جلالپور شریف میں نظر آنے والے آثار زیادہ تر کشانی دور (پہلی تا تیسری صدی عیسوی) سے تعلق رکھتے ہیں، جبکہ اگرچہ یہ علاقہ سکندر سے پہلے بھی آباد تھا، لیکن اس کے زمانے کا کوئی واضح بڑا شہری مرکز ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح مونگ (ضلع منڈی بہاؤالدین) میں بھی کھدائیوں اور سطحی شواہد سے ابتدائی تاریخی اور کشانی دور (تقریباً دوسری صدی قبل مسیح سے تیسری صدی عیسوی) کی آبادی کا پتا چلتا ہے، مگر یہاں سے ایسا کوئی حتمی ثبوت نہیں ملا جو اسے نیکایا یا سکندر کے قائم کردہ کسی شہر سے جوڑ سکے۔ پھالیہ کی صورت حال بھی اسی سے ملتی جلتی ہے، جہاں قدیم آبادی کے آثار تو موجود ہیں لیکن زیادہ تر باقیات بعد کے ادوار سے تعلق رکھتی ہیں اور سکندر کے زمانے (چوتھی صدی قبل مسیح) سے براہِ راست متعلق کوئی واضح تہہ دریافت نہیں ہوئی۔ اس لیے مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں، لیکن آج تک کوئی مستند آثارِ قدیمہ —— جیسے کتبے، سکے یا واضح شہری باقیات —— دریافت نہیں ہوئے جو یہ ثابت کریں کہ بوسیفیلا اور نیکایا واقعی جلالپور، مونگ یا پھالیہ میں واقع تھے۔

کیورٹیئس روفَس اور دریائے راوی کے علاقے کی حقیقت: ایک تنقیدی جائزہ

کیورٹیئس روفَس دریائے راوی کی جانب سکندر اعظم کی پیش قدمی کو ''صحرا'' اور غیر آباد بیابانوں سے گزرنے کے طور پر بیان کرتا ہے۔ تاہم جب اس بیان کا تقابل دیگر معتبر کلاسیکی ماخذ سے کیا جائے تو ایک

مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔ ارریان، جو عینی شاہدین کی روایات پر اعتماد کرتا ہے، دریائے چناب اور دریائے راوی کے درمیان واقع کتھیائی (Cathaei) قوم کے علاقے کو ایک گنجان آباد اور مضبوط دفاعی نظام سے آراستہ خطہ قرار دیتا ہے۔ اسی طرح ڈائیوڈورس سیکولس اور پلوٹارک مقامی قبائل کی کثیر آبادی اور ان کی شدید مزاحمت کا ذکر کرتے ہیں، جبکہ جغرافیہ دان اسٹرابو پنجاب کے میدانوں—— خصوصاً دریائے راوی کے اطراف—— کی غیر معمولی زرخیزی اور زرعی فراوانی کو نمایاں کرتا ہے۔

قدیم مؤرخین کے ہاں پورس کی دوبارہ شمولیت کا خلاصہ

قدیم یونانی مؤرخین کے بیانات میں اس بات پر واضح اختلاف پایا جاتا ہے کہ راجہ پورس سکندر کی فوج سے کب، کہاں اور کس انداز میں دوبارہ آملا۔ یہ اختلاف دراصل مختلف ذرائع اور ہر مؤرخ کے بیانیہ مقصد کی عکاسی کرتا ہے۔

ایرین کے مطابق پورس کو چناب (Acesines) سے واپس بھیجا گیا تاکہ وہ اپنی بہترین فوج اور ہاتھی جمع کرے، اور پھر وہ راوی (Hydraotes) کے قریب سنگلا کے محاصرے کے وقت ایک منظم فوجی کمک کے طور پر دوبارہ شامل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کرٹیئس روفس اس ملاقات کو زیادہ سیاسی رنگ دیتا ہے اور اسے چناب کے قریب ہی ایک تدریجی اتحاد کے طور پر پیش کرتا ہے، جہاں سکندر پورس کو اس کے بھتیجے کی زمینیں بھی عطا کرتا ہے۔ ڈایوڈورس کسی مخصوص ''دوبارہ شمولیت'' پر زور نہیں دیتا بلکہ پورس کو

مسلسل ایک طاقتور شریک حکمران کے طور پر دکھاتا ہے، جو بیاس (Hyphasis) تک پہنچتے پہنچتے وسیع علاقوں کا حاکم بن چکا ہوتا ہے۔

راجہ امبی کی موجودگی کے حوالے سے اختلافات

اریان کے مطابق، راجہ امبی (ٹیکسا ئلز) کو پورس کے ساتھ جنگ کے بعد واپس اس کے دارالحکومت بھیج دیا گیا، جبکہ کرٹیئس روفس کے مطابق راجہ امبی سکندر کے ساتھ رہا اور بیاس سے واپسی کے بعد چناب تک اس کے ہمراہ تھا۔

سوپی تھس کی اطاعت: وقت اور مقام کے حوالے سے اختلافات

سوپی تھس (Sopeithes) کے بارے میں بنیادی اختلاف اس امر پر ہے کہ اس کی اطاعت سکندر کی بیاس (Hyphasis) کی جانب پیش قدمی کے دوران ہوئی یا دریاؤں کے راستے سمندر کی طرف واپسی کے مرحلے میں۔ ڈیودورس اور کرتیئس روفس اس واقعے کو مشرق کی طرف پیش قدمی کے دوران بیان کرتے ہیں اور اس کی سلطنت کو دریائے راوی کے قریب واقع قرار دیتے ہیں، نیز وہ مشہور ہندوستانی شکاری کتوں کے تحفے کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اریان اس واقعے کو بہت بعد کے مرحلے، یعنی دریائی راستے سے واپسی کے سفر کے دوران ذکر کرتا ہے اور سوپی تھس کے علاقے کو نسبتاً جنوب میں، جہلم اور چناب کے سنگم کے قریب قرار دیتا ہے۔

سنگلا کے مقام کا جغرافیائی اختلاف

سکندر اعظم کی ہندوستانی مہم کے مطالعے میں ایک اہم جغرافیائی مسئلہ سنگلا (Sangala) کے مقام سے متعلق ہے۔ یہ مسئلہ یونانی تاریخی روایات، سنسکرت ادب، اور جدید جغرافیہ کے باہمی تقابل سے پیدا ہوتا ہے۔

یونانی بیانیے کے مطابق، خاص طور پر **ایرین** کے ہاں، سکندر نے مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے پہلے چناب (Acesines) اور پھر راوی (Hydraotes) کو عبور کیا۔ راوی عبور کرنے کے بعد اسے **کیتھیئی** (Cathaeans) کی بغاوت کی خبر ملی اور وہ ان کے دارالحکومت سنگلا کی طرف بڑھا۔ اس ترتیبِ واقعات کی بنیاد پر عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ سنگلا راوی کے مشرق میں واقع تھا۔ دیگر یونانی مؤرخین جیسے کرٹیئس روفس، ڈایوڈورس اور پلوٹارک بھی اس مہم کا ذکر کرتے ہیں، مگر وہ جغرافیائی لحاظ سے غیر واضح ہیں اور سنگلا کے مقام کے بارے میں کوئی قطعی وضاحت فراہم نہیں کرتے۔

اس کے برعکس ہندوستانی ادبی روایت، خصوصاً پانینی اور مہابھارت سے منسلک حوالہ جات میں، سنگلا کو ساکلا (Sakala) کے طور پر شناخت کیا جاتا ہے، جو مدر (Madra) قوم کا دارالحکومت تھا۔ ان روایات کے مطابق ساکلا ریچنا دوآب (چناب اور راوی کے درمیان کا علاقہ) میں واقع تھا، جو واضح طور پر راوی کے مغرب میں آتا ہے۔ یہ مقام موجودہ سیالکوٹ کے جغرافیے سے بھی مطابقت رکھتا ہے، جبکہ بعض

محققین اسے سنگلاہِل (Sangla Hill) کے مقام سے بھی منسلک کرتے ہیں، جو خود بھی دریائے راوی کے مغرب میں واقع ہے۔

سنگلا کے محاصرے کے اعداد و شمار

قدیم مؤرخین کے مطابق سنگلا کے محاصرے میں ہلاکتوں کے بارے میں واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایرین کے بیان کے مطابق تقریباً 17,000 ہندوستانی مارے گئے اور 70,000 قیدی بنائے گئے، جبکہ مقدونی ہلاکتیں صرف 100 بتائی گئی ہیں۔ تاہم وہ خود یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ 1,200 سے زائد مقدونی زخمی ہوئے، جو اس لڑائی کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس کے برعکس کرٹیئس روفس تقریباً 8,000 ہندوستانیوں کی ہلاکت بیان کرتا ہے، جو نسبتاً کم ہے۔ ڈایوڈورس اور پلوٹارک اس واقعے کے لیے کوئی مخصوص اعداد و شمار فراہم نہیں کرتے، لیکن وہ شدید مزاحمت کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ یوں مختلف اعداد و شمار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قدیم روایات میں اس معرکے کی تفصیل مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے۔

بیڑے کی تعمیر: مؤرخین کا اختلاف

اریان اور پلوٹارک کے مطابق سمندر کے سفر کے لیے استعمال ہونے والا بیڑا بیاس سے واپسی کے بعد تعمیر کا حکم دیا گیا، جبکہ کرٹیئس روفس اور ڈیوڈورس سیکولس کے مطابق بیڑے کی تعمیر کا حکم دریائے جہلم سے دریائے بیاس کی طرف پیش قدمی سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا۔

سکندر کی مشرقی حد: قدیم مؤرخین کے بیانات کا خلاصہ

قدیم مؤرخین سکندر کی مہم کی آخری مشرقی حد کے بارے میں مختلف بیانات پیش کرتے ہیں۔ ایرین کے مطابق سکندر دریائے بیاس (Hyphasis) تک پہنچا، جہاں اس نے بارہ قربان گاہیں (altars) تعمیر کیں اور وہیں سے واپس لوٹ گیا۔ کرٹیئس روفس اور ڈایوڈورس سیکولس مہم کو اس مقام تک بیان کرتے ہیں جہاں فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کیا، تاہم وہ کسی مخصوص دریا کو واضح حد کے طور پر متعین نہیں کرتے۔ پلوٹارک دریائے گنگا کا ذکر ایک بڑے اور دور دراز دریا کے طور پر کرتا ہے، مگر یہ نہیں کہتا کہ سکندر وہاں تک پہنچا تھا۔

سکندر کی قربان گاہیں: متون اور آثارِ قدیمہ

قدیم مؤرخین کے بیانات کے مطابق سکندر اعظم کی قائم کردہ بارہ قربان گاہوں کے مقام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایرین کے بیان کے مطابق قربان گاہیں دریائے بیاس (Hyphasis) **کے مغربی کنارے پر** تھیں، جبکہ پلینی (Pliny) واضح طور پر انہیں مشرقی کنارے پر قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ سکندر نے دریا عبور کر کے اس کے پار قربان گاہیں قائم کیں۔

دوسری جانب، جب محققین سکندر اعظم کی قربان گاہوں کی تلاش میں ان علاقوں کا جائزہ لے رہے تھے، تو اس دوران قدیم آبادیاں دریافت ہوئیں جن میں سے بعض سکندر سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں، تاہم ان کا ان قربان گاہوں سے کوئی براہِ راست تعلق ثابت نہیں ہو سکا۔

کوئنس (Coenus) کی وفات: وقت اور مقام کے حوالے سے اختلاف

کوئنس(Coenus) ،جو سکندر کے نہایت معتمد جرنیلوں میں سے ایک تھا، کی وفات کے بارے میں قدیم مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا وہ بیاس (Hyphasis) پر بغاوت کے فوراً بعد وفات پا گیا یا بعد ازاں واپسی کے دوران۔ اریان کے مطابق کوئنس ایک اچانک بیماری کے باعث اس وقت وفات پا گیا جب فوج ہائڈاسپس (جہلم) کے مقام پر واپس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی، جہاں اس کے لیے شاندار آخری رسومات ادا کی گئیں۔اس کے برعکس کرتیئس روفس اس کی وفات کو جب فوج بیاس سے واپس مغرب کی جانب پیش قدمی کر رہی تھی اکیسینیس (چناب) کے مقام پر رکھتا ہے۔ جبکہ کرتیئس کے مطابق وہ مہم کے اس اہم موڑ کے فوراً بعد ہی وفات پا گیا۔

بحری مہم کے آغاز کا مقام

قدیم مؤرخین مقدونی بحری بیڑے کی روانگی کے مقام کے بارے میں متفق نہیں ہیں۔ اریان اس مہم کا آغاز جہلم (ہائڈاسپس) پر واقع نیکایا اور بوسیفالا سے بیان کرتا ہے، جبکہ کرتیئس روفس، جسٹن اور ڈیودورس اس کی ابتدا چناب (اکیسینیس) سے قرار دیتے ہیں۔

دریائے بیاس (Hyphasis) کے سنگم کے بارے میں غلط بیان

قدیم یونانی مؤرخ اریان (Arrian) نے اپنی کتاب Indika میں لکھتا ہے کہ دریائے بیاس، دریائے راوی میں جا کر ملتا ہے، جبکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دریائے بیاس جنوب کی

طرف بہتا ہوا دریائے ستلج میں جا کر شامل ہوتا ہے، نہ کہ دریائے راوی میں۔ دریائے راوی اپنی الگ سمت میں بہتا ہے اور بعد میں دریائے چناب میں جا ملتا ہے۔

سپاہیوں کے آگے بڑھنے سے انکار اور واپسی کے راستے کا سوال

سکندرِ اعظم کی فوج نے دریائے بیاس (Hyphasis) کے مقام پر آگے بڑھنے سے انکار کیا، جس کی بنیادی وجہ شدید تھکن اور مسلسل جنگیں تھیں۔ سپاہی کئی برسوں سے مسلسل لڑائیوں اور طویل سفر میں مصروف تھے، جس کی وجہ سے وہ جسمانی اور ذہنی طور پر نڈھال ہو چکے تھے اور مزید مہم جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ دوسری اہم وجہ مشرق میں موجود طاقتور سلطنتوں کا خوف تھا۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ آگے نند سلطنت اور گنگاریدائی جیسے بڑے حکمران موجود ہیں، جن کے پاس بڑی فوجیں اور جنگی ہاتھیوں کی کثرت ہے، جس نے ان کے خوف میں مزید اضافہ کیا۔

تاہم یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فوج واقعی اس قدر تھک چکی تھی، تو سکندر کو چاہیے تھا کہ وہ دریائے بیاس سے ہی کشتیوں کے ذریعے سیدھا دریا کے بہاؤ کے ساتھ سمندر کی طرف روانہ ہو جاتا، جو نسبتاً آسان اور مختصر راستہ تھا، اور اندازاً ایک ماہ کے اندر سمندر تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کے برعکس اس نے ایک مشکل اور طویل راستہ اختیار کیا، جس میں اسے دوبارہ مختلف دریاؤں کو عبور کرنا پڑا، خاص طور پر دریائے چناب جیسا مشکل دریا، اور پھر واپس دریائے جہلم (Hydaspes) پہنچ کر وہاں سے سمندر کی جانب سفر شروع کیا، جس میں تقریباً نو ماہ کا طویل عرصہ صرف ہوا۔ یہاں یہ سوال مزید اہم ہو جاتا ہے کہ سکندر نے

اسی دشوار گزار علاقے سے دوبارہ واپسی کا راستہ کیوں اختیار کیا، جہاں وہ پہلے ہی مشکلات، جنگوں اور قدرتی خطرات کا سامنا کر چکا تھا، خصوصاً یہ کہ اس خطے میں زہریلے سانپوں کی کثرت تھی اور انہی سانپوں کے کاٹنے سے اس کے کئی سپاہی ہلاک بھی ہو چکے تھے۔ یہ فیصلہ بظاہر حیران کن محسوس ہوتا ہے اور قدیم روایات میں اس کی واضح توجیہ ہمیشہ یکساں طور پر بیان نہیں کی گئی۔

تاہم کچھ محققین کا خیال ہے کہ چونکہ سمندری بیڑا دریائے جہلم پر پہلے ہی تیار ہو چکا تھا، اس لیے سکندرِ اعظم نے واپسی کے لیے دریائے بیاس کے بجائے دریائے جہلم کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن یہ دلیل درست معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ قدیم مؤرخین میں سے جو سب سے زیادہ معتبر سمجھے جاتے ہیں، جیسے اریان اور پلوٹارک، ان کے مطابق دریائے جہلم پر سمندر کے سفر کے لیے استعمال ہونے والے بیڑے کی تیاری کا حکم دریائے بیاس کی طرف روانگی سے پہلے نہیں بلکہ بیاس سے واپسی کے بعد دیا گیا تھا۔

دوسری طرف اگر ہم کرٹیئس روفس اور ڈیوڈورس سیکولس کے بیانات کو بھی تسلیم کر لیں، تو ان کے مطابق سمندری بیڑے کی تیاری کا حکم دریائے جہلم کے کنارے مشرق (دریائے بیاس) کی طرف روانگی سے پہلے دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود، انہی دونوں مؤرخین کے مطابق سکندرِ اعظم نے واپسی کے لیے دریائے جہلم نہیں بلکہ دریائے چناب کا راستہ اختیار کیا۔ اس لیے ان دونوں کے اپنے بیانات کی روشنی میں بھی یہ محققین کا خیال غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

واپسی کے دعوے کے باوجود مشرق کی جانب پیش قدمی کا سوال

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سکندرِ اعظم دریائے جہلم سے اپنے بحری بیڑے کے ساتھ سمندر کی جانب روانہ ہو چکا تھا اور اس کا مقصد اپنے وطن لوٹنا تھا، تو پھر یہ ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ دریائے جہلم اور چناب کے سنگم پر، جہاں راجہ پورس کی حدود ختم ہو جاتی تھیں، سکندر نے دوبارہ مشرق کے میدانی علاقوں کی طرف پیش قدمی کیوں کی؟ تاریخی روایات کے مطابق وہ آگے بڑھتے ہوئے دریائے راوی تک پہنچا اور وہاں ملوئی (Malloi) قوم سے شدید جنگ لڑی۔

ملوئی کی فوج کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس تقریباً 80,000 پیادہ، 10,000 گھڑ سوار، 700 رتھ موجود تھے (بعض روایات میں اعداد میں اختلاف بھی ملتا ہے)، جو اگرچہ نند سلطنت کی طاقت کے مقابلے میں کم تھے، مگر پھر بھی ایک بڑی اور خطرناک قوت تھی۔ یاد رہے کہ سکندر کی فوج پہلے ہی بیاس پر آگے مشرق بڑھنے سے اس لیے رک گئی تھی کہ انہیں نند سلطنت کی ایک عظیم فوج کا خوف تھا، جس کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ اس کے پاس 80,000 گھڑ سوار، 200,000 پیادہ، 8,000 رتھ اور 6,000 جنگی ہاتھی موجود ہیں۔

ایسے میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب سکندر کی اپنی فوج پہلے ہی ایک بڑی طاقت کے خوف سے آگے بڑھنے سے انکار کر چکی تھی، تو پھر اس نے واپسی کے دوران ایک اور بڑی فوج، یعنی ملوئی کے خلاف مشرق کی جانب پیش قدمی کیوں کی؟ اگرچہ ملوئی کی طاقت نند سلطنت سے کم تھی، لیکن وہ پھر بھی سکندر کی

نسبت عددی لحاظ سے بڑی قوت رکھتے تھے۔ یہ تضاد سکندر کی حکمتِ عملی اور قدیم روایات کی سچائی پر ایک اہم سوال کھڑا کرتا ہے۔

سکندرِ اعظم کی مہم کے مختلف مراحل کی غیر مساوی تفصیل

قدیم یونانی و رومی مؤرخین کے تفصیلی مطالعے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سکندرِ اعظم کی مہم کے مختلف مراحل کی تفصیل یکساں نہیں ہے۔ دریائے جہلم (Hydaspes) کے مغرب میں ہونے والی مہمات — جیسے دریائے سندھ کے علاقے میں پیش قدمی، آورنس (Aornos) کا محاصرہ اور ٹیکسلا کے ساتھ سیاسی معاملات — کو نسبتاً تفصیل اور ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح واپسی کے مرحلے، خصوصاً دریائے جہلم سے لے کر دریائے سندھ اور پھر سمندر تک کے سفر، بحری بیڑے کی تیاری، ملوئی کے ساتھ جنگ اور نیارکس کی مہم کو بھی قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس جہلم کے مشرق میں، جہاں سکندر نے چناب اور راوی کو عبور کیا اور سنگلا جیسے مقامات پر مہمات انجام دیں، ان واقعات کو نسبتاً مختصر اور کم وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس میں جغرافیائی تفصیلات اور واقعات کی ترتیب بعض اوقات غیر واضح نظر آتی ہے۔

سکندرِ اعظم کے بعد شمال مغربی پنجاب میں یونانی کمانڈرز اور مقامی حکمرانوں کا نظام

سکندرِ اعظم نے شمال مغربی ہندوستان (خصوصاً وادیٔ سندھ اور پنجاب) میں اپنی فتوحات کے بعد کئی مقدونی/یونانی فوجی کمانڈر مقرر کیے تاکہ مقامی حلیف حکمرانوں کے ساتھ مل کر اقتدار برقرار رکھا جا سکے۔

ان میں فلپ (Philip) کو ''ہندوستان کا ستراپ'' مقرر کیا گیا، جس کا ابتدائی دائرہ اختیار دریائے سندھ اور جہلم (Hydaspes) کے درمیان تھا، جو بعد ازاں ملوئی اور اوکسیدریکائے کے علاقوں تک بڑھا کر چناب اور سندھ کے سنگم تک پھیلا دیا گیا۔ اسی طرح پیتھون (Peithon) کو دریائے سندھ کے نچلے علاقوں، خصوصاً پٹالا (موجودہ سندھ کے قریب) کا نگران مقرر کیا گیا، جس کی حیثیت بعد ازاں بھی برقرار رہی۔ مزید برآں ایوڈیمس (Eudemus) نے فلپ کے قتل کے بعد اس نے اسی علاقے کا انتظام سنبھالا اور راجہ امبھی کے ساتھ مل کر اس خطے کو کنڑول کیا۔ اس کے برعکس **راجہ پورس** کے معاملے میں کوئی یونانی شریک حکمران مقرر نہیں کیا گیا؛ اسے دریائے جہلم کے مشرقی علاقوں کا بنیادی حکمران تسلیم کیا گیا اور اس کے ساتھ کسی مقدونی/یونانی کو بطور شریک اقتدار نہیں بٹھایا گیا۔

اگر یہ محسوس ہوتا ہے کہ سکندرِ اعظم کی پالیسی یہ تھی کہ وہ مفتوحہ علاقوں میں ہر جگہ، حتیٰ کہ مقامی حکمرانوں کے ساتھ مشترکہ طور پر بھی، مقدونی/یونانی کمانڈر مقرر کرے — جیسے اس نے راجہ امبھی کے ساتھ ایوڈیمس (Eudemus) اور فلپ (Philip) کو مقرر کیا — تو پھر دریائے جہلم اور بیاس کے درمیانی علاقے میں اس پالیسی کا اطلاق کیوں نہیں کیا گیا، اور وہاں راجہ پورس کو تنہا حکمرانی کیوں دی گئی؟

پنجاب میں داخل ہونے سے پہلے یونانیوں کا علم

ٹیکسلا میں سکندرِ اعظم کو مقامی حکمران راجہ امبھی (Ambhi) کے ذریعے نہایت اہم معلومات حاصل ہوئیں، جن میں راجہ پورس کے علاقے اور پنجاب کے دریائی نظام کی تفصیلات شامل تھیں۔ اسی مقام پر اس کی ملاقات ایک نوجوان چندر گپت موریہ سے ہونے کا بھی ذکر ملتا ہے، جس نے نند سلطنت کی بے پناہ دولت اور وادیٔ گنگا کے جغرافیے کے بارے میں آگاہ کیا، جبکہ مقامی فلاسفہ نے ہندوستان کے وسیع اندرونی علاقوں کی وسعت اور خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ اس نئی دنیا کو سمجھنے اور قلم بند کرنے کے لیے یونانیوں نے مقامی سنسکرت ناموں کو اپنی زبان کے مطابق ڈھال لیا، جس میں تلفظ کو یونانی حروف کے مطابق تبدیل کیا گیا۔ مثال کے طور پر وتستا (Vitasta) کو Hydaspes، اسکنی (Asikni) کو Acesines، اور وپاشا (Vipasha) کو Hyphasis بنادیا گیا، اور اکثر ان ناموں کے آخر میں یونانی لاحقہ "es-" شامل کیا گیا۔

تاہم سکندر کے 326 قبل مسیح میں پنجاب پہنچنے سے پہلے یونانیوں کے پاس ہندوستان کے جغرافیہ، جانوروں اور اقوام کے بارے میں معلومات ادھوری اور بالواسطہ تھیں، جو زیادہ تر فارسی سلطنت کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں۔ ہیروڈوٹس جیسے مصنفین نے ہندوستان کو ایک دور دراز، زرخیز اور عجیب و غریب سرزمین کے طور پر پیش کیا، جہاں گھنے جنگلات، بڑے درخت اور مختلف قبائل آباد تھے، لیکن ان کی تحریروں میں حقیقت کے ساتھ افسانوی عناصر بھی شامل تھے۔ یونانی خطرناک جانوروں، خصوصاً سانپوں کے بارے

میں بھی واقف تھے، جو غالباً حقیقی مخلوقات جیسے کو براپر مبنی تھے، مگر کتیسیاس جیسے مصنفین نے انہیں مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیا۔اسی طرح "ہندوستانی کتوں "کاذکر بھی ملتاہے، جنہیں طاقتوراور قیمتی شکاری جانور سمجھا جاتا تھااور جن کا تعارف فارسی دربار کے ذریعے مغربی دنیامیں ہوا۔ زینوفون جیسے مصنفین نے ان کتوں کو خاص اہمیت دی۔ ہندوستانی اقوام کے بارے میں بھی معلومات گردش میں تھیں، مگراکثر مسخ شدہ صورت میں، جس کے نتیجے میں عجیب و غریب مخلوقات جیسے "سائنوسیفالی" (کتے کے سر والے انسان) کی کہانیاں بھی وجود میں آئیں۔

حوالہ جات

- Buddha Prakash: *Poros the Great*. University of Rajasthan, 1964.
- A.K. Narain: *The Indo-Greeks*. Oxford University Press, 1957.
- H.C. Seth: *"Alexander's Conflict with Mihira Gul"* and various papers
- Aitezaz Ahsan: *The Indus Saga*. Oxford University Press, 1996
- Damodar Dharmananda (D.D.) Kosambi: *An Introduction to the Study of Indian History*. Popular Prakashan, 1956

بابِ آخر: حقیقت کیا ہے؟(حتمی تجزیہ)

تاریخی واقعات کو بیان کرتے وقت مختلف مؤرخین کے درمیان معمولی اختلاف ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہ اختلاف تعداد، ترتیبِ واقعات یا بیان کے انداز میں ہو سکتا ہے۔ لیکن سکندرِ اعظم کی مہمات کے معاملے میں صورتِ حال کچھ مختلف ہے۔ اہم قدیم مؤرخین—ایرین(Arrian) ، پلوٹارک(Plutarch) ، کرٹس روفس (Curtius Rufus) اور ڈایوڈورس (Diodorus) نے اپنی روایات خود سے تخلیق نہیں کیں بلکہ انہوں نے ان ابتدائی ذرائع پر انحصار کیا جو عینی شاہدین پر مبنی تھے، جیسے بطلیموس (Ptolemy)،اریستوبولس(Aristobulus) ،اونیسیکریٹس (Onesicritus) اور کالستھینیز (Callisthenes)۔ چونکہ یہ بنیادیں براہِ راست مشاہدے پر قائم تھیں،اس لیے ان میں بیان کیے گئے بنیادی واقعات تاریخی اعتبار سے زیادہ وزن رکھتے ہیں۔

لہٰذا، اگرچہ بیان میں معمولی فرق قابلِ فہم ہے، لیکن مجموعی طور پر ان تمام ذرائع کے درمیان بنیادی ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ اگر بڑے تضادات یا بالکل مختلف بیانات سامنے آئیں تو یہ قابلِ سوال ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ سب روایات بالآخر عینی شہادتوں پر مبنی ہیں۔

مزید یہ کہ ان بیانات کا جغرافیائی حقائق—جیسے دریاؤں، شہروں اور راستوں کی ترتیب—سے مطابقت رکھنا بھی ضروری ہے، اور ساتھ ہی یہ کہ ان میں بیان کردہ فوجی فیصلے اور واقعات ایک منطقی تسلسل کے مطابق ہوں۔

اسی لیے سکندر کی مہمات کا مطالعہ ایک متوازن نقطۂ نظر کا متقاضی ہے۔ معمولی اختلافات کو فطری سمجھنا چاہیے، تاہم یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ عینی شاہدین پر مبنی مشترکہ روایت بڑے اور بنیادی اختلافات کی گنجائش کم کر دیتی ہے۔

اس کے باوجود، ان مؤرخین کی تحریروں میں دریائے جہلم کے مشرقی علاقوں کے حوالے سے بعض اہم امور پر نمایاں تضادات موجود ہیں، جو اس روایت کی پیچیدگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر بوسیفیلا اور نِکایا کے درست مقامات متعین نہیں ہو سکے، سوپیتھس کی اطاعت کے وقت اور مقام میں اختلاف پایا جاتا ہے، سنگالا کے جغرافیے پر یکسانیت نہیں، سکندر کی مشرقی حد کی تعیین میں تفاوت ملتا ہے، کوئنس (Coenus) کی وفات کے وقت اور مقام کے بارے میں روایات مختلف ہیں، جبکہ سکندر کی بحری مہم کے آغاز کے مقام کے حوالے سے بھی متضاد آراء موجود ہیں۔

یہی صورتِ حال آثارِ قدیمہ کے شواہد سے بھی جزوی طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ دریائے جہلم کے مغرب میں، خصوصاً وادیٔ سوات اور ٹیکسلا کے علاقوں میں، قدیم آثار اور یونانی اثرات ایسے ملتے ہیں جو سکندر کی آمد اور اس کے بعد کے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، لیکن اس کے برعکس دریائے جہلم کے مشرق میں اب تک کوئی واضح اور قطعی آثارِ قدیمہ نہیں ملتے جو سکندر کی آمد یا موجودگی کو ثابت کریں۔ اسی طرح واپسی کے سفر میں ملتان کے قریب علاقوں — جیسے تلمبہ — میں قدیم آثار ملتے ہیں جو اس کے گزرنے کے امکانات کو تقویت دیتے ہیں۔

مزید اہم بات یہ ہے کہ قدیم مؤرخین—ایرین(Arrian) ، پلوٹارک(Plutarch) ، کرٹس روفس (Curtius Rufus) اورڈایوڈورس (Diodorus) نے جہلم کے مغرب میں سکندر کی مہمات کو تفصیل سے بیان کیا ہے،تاہم جیسے ہی وہ دریائے جہلم کے مشرق، یعنی میدانی پنجاب میں داخل ہوتا ہے، بیانیہ مختصر اور کم واضح ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے پر بیان میں زیادہ تر انہی مقامات، اقوام، ماحول، جانوروں اور جنگلات کا ذکر ملتا ہے جن کے بارے میں یونانی پہلے سے واقف تھے۔ اس کے برعکس، جب سکندر واپسی کا سفر شروع کرتا ہے اور دوبارہ دریائے جہلم کے راستے گزرتا ہے، تو یہی مؤرخین ایک بار پھر واقعات کو نسبتاً تفصیل سے بیان کرنے لگتے ہیں۔

مزید برآں دریائے جہلم کے مشرق سے لے کر دریائے بیاس تک سکندر کی پیش قدمی کا جائزہ لینے کے بعد یہ چند منطقی سوالات سامنے آتے ہیں؛

- اگر سکندرِ اعظم کی فوج بیاس (Hyphasis) پر شدید تھکن اور مشرق کی طاقتور سلطنتوں کے خوف کے باعث آگے مشرق کی طرف بڑھنے سے انکار کر چکی تھی، تو پھر اس نے وہیں سے دریا کے بہاؤ کے ساتھ سیدھا اور نسبتاً آسان راستہ اختیار کرتے ہوئے سمندر کی طرف واپسی کیوں نہ کی؟ اس کے برعکس اس نے ایک طویل اور دشوار راستہ کیوں چنا، جس میں دوبارہ مختلف دریاؤں کو عبور کرنا پڑا اور پھر دریائے جہلم کی طرف واپس آنا پڑا؟ اور پھر یہاں سے سکندرِ اعظم نے دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ جنوب کی جانب، سمندر کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا۔

- اگر دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ واپسی کا فیصلہ ہو چکا تھا، تو جہلم اور چناب کے سنگم، جہاں راجہ پورس کی حدود ختم ہو جاتی تھیں، سکندر نے دوبارہ مشرق کی طرف پیش قدمی کیوں کی؟ اور راوی تک جا کر ملوئی (Malloi) کے خلاف ایک بڑی جنگ کیوں لڑی، جبکہ اس کی اپنی فوج پہلے ہی ایک بڑی طاقت کے خوف سے مزید پیش قدمی سے انکار کر چکی تھی؟
- یہ ایک نہایت اہم اور قابلِ غور سوال ہے کہ سکندرِ اعظم نے پنجاب اور سندھ کے مختلف علاقوں میں تو مقدونی/یونانی کمانڈرز مقرر کیے، مگر دریائے جہلم کے مشرق میں کسی بھی مقدونی یا یونانی کمانڈر کو کیوں مقرر نہیں کیا گیا؟ اگر یہ کہا جائے کہ سکندر نے راجہ پورس کو اس کی سلطنت واپس کر دی تھی، اسی لیے اس کے علاقے میں کوئی یونانی کمانڈر مقرر نہیں کیا گیا، تو پھر یہی منطق راجہ امبھی (ٹیکسلا) پر بھی لاگو ہونی چاہیے تھی، کیونکہ اس کی سلطنت بھی سکندر نے برقرار رکھی تھی۔ اس کے باوجود ٹیکسلا اور اس کے گردونواح میں مقدونی/یونانی فوجی کمانڈرز اور دستے موجود تھے۔ اس تضاد سے یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آخر پورس اور امبھی کے ساتھ سلوک میں یہ فرق کیوں رکھا گیا؟ کیا یہ محض سیاسی یا فوجی مصلحت کارفرما تھی یا حقیقت اس سے زیادہ پیچیدہ معلوم ہوتی ہے؟

بعض مؤرخین پہلے ہی راجہ پورس اور سکندرِ اعظم کی جنگ کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور جب ہم دریائے جہلم کے مشرق پنجاب کے میدانوں سے متعلق سوالات—جیسے کہ دریائے بیاس تک کے علاقے میں سکندر کی مہم کے واضح آثارِ قدیمہ کا نہ ملنا، وہاں کسی مضبوط مقدونی/یونانی کمانڈر کا نہ چھوڑا جانا،

اور قدیم یونانی مؤرخین کا اس خطے کے بارے میں نسبتاً کم تفصیل دینا، انہی مؤرخین کے بیانات میں کئی مقامات پر جغرافیائی اختلافات اور باہمی عدم اتفاق نظر آنا۔ دریائے بیاس (Hyphasis) سے واپسی کا فیصلہ کرنا، لیکن عملی طور پر بیاس کے بجائے دریائے جہلم (Hydaspes) کو واپسی کے لیے استعمال کرنا، اور پھر واپسی کے دوران جہاں راجہ پورس کی سلطنت ختم ہوتی تھی وہاں سے دوبارہ مشرق کی طرف پیش قدمی کرنا، کو مقدمے میں شامل کرتے ہیں تو یہ بحث مزید واضح ہو جاتی ہے۔ اس مقدمے کے بعد ان تمام سوالوں کا جب عقلی اور تنقیدی جائزہ لیا جائے تو جو نتیجہ (جو ان سوالات کا جواب دے سکے) سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ

"سکندرِ اعظم دریائے جہلم کی جنگ راجہ پورس سے جیت نہ سکا۔ اسی بنا پر راجہ پورس نے سکندر کو اپنی سلطنت (جو دریائے جہلم اور دریائے چناب کے دوآبے میں واقع تھی) سے مشرق کی طرف گزرنے کی اجازت نہ دی۔ نتیجتاً سکندر مشرق کی طرف پیش قدمی کے لیے پہلے دریائے جہلم کے ساتھ ساتھ جنوب کی جانب بڑھا، اور جہاں پورس کی حدود ختم ہوتی تھیں وہاں سے اس نے دوبارہ مشرق کی طرف رخ کیا۔ جبکہ دریائے جہلم سے دریائے بیاس کی طرف پیش قدمی، جیسا کہ قدیم مؤرخین نے بیان کیا ہے، خیالی معلوم ہوتی ہے۔"